

DIGITIZED

2011

Handwritten text: "Handwritten text: 551"

Handwritten calculation:
$$\begin{array}{r} 115 \\ \hline 115 \end{array}$$

1004

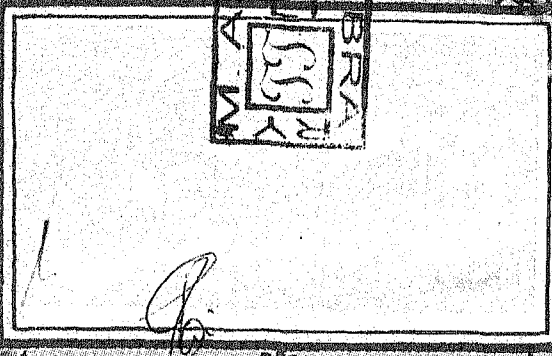
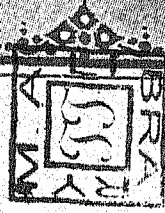
DIGITIZED

DIGITIZED

سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر

حقوق محفوظ

(13)



تصنيف

مصور حضرت علامہ راشد الخیر علیہ السلام

بے

رازق الخیر الیدیر عصمت بنی

عصمت بکشی دہلی سے لکھا

مکتبہ
میں

JAN 11 30

مصورِ عظم حضرت علامہ اشرف الداعی کی بیعت

تاریخ و سیرت	اصلاحی معاشرتی ناول	مختصر افسانوں کے مجموعے	اصلاحی معاشرتی افسانے
آئندہ کال	حیاتِ صالحہ	چوہرِ عصمت	بنتِ اوقت
سیدہ کال	منازلِ امتازہ مکمل	سبیلِ اشک (مصور)	سرابِ مغرب
الزہراء	صبحِ زندگی	طوفانِ اشک	فائدہ سعید
نوبتِ پنج روزہ باواریغِ ظفر	شامِ زندگی	قطراتِ اشک	سودائے نقد
وداعِ خاتون	شبِ زندگی و وحشت	خدائی راج (آخری افسانے)	مخدیشیطانی
ابن کا دم واپس	نوحہ زندگی	نیوالی زندگی	سات روحوں کے اعمال
ولی کی آخری بہار	طوفانِ حیات	گلہ سٹہ عید	خدر کی ماری شہزادیاں
بزمِ رنگین دانتھویر	جوہرِ قدامت	گوہرِ مقصود	سنوئی
داستانِ پاریہ	بہمن کا چاند	گردابِ حیات	سجوک
امت کی باتیں	اسلامی تاریخ بطور ناول	براطِ حیات	سوکن کا جلا پا
نئی مضامین	ماہِ عجم	خود اور انسان	مؤودہ
احکامِ نبوی	عروسِ کربلا	نشیب و فراز	نقیرِ عصمت
محرمِ حقیقی	یاسینِ شام	مضامین کے متفرق مجموعے	انگوٹھی کا راز
دعائیں	عجوبہ خداوند	عروسِ مشرق	منازلِ ترقی
قرآنی قصے	تبیخِ کمال	گدڑی بن بعل	بچہ کا کرتہ
زیورِ اسلام	مشہد شاہ کا فیصلہ	مسلمان عورت کے حقوق	ویڈیا کی سرگزشت
نظموں کے مجموعے	منظرِ ابلس	نالہ زار	چار عالم
رودادِ نفس	شاہین و کوراج	بلبلِ ہمیار	مراحمیہ افلاک
گزشتہ نفس	دیرِ شہوار	ساجن موہنی	نانی عشو
سیاسی صحافی سیاحتی مضامین	آفتابِ عشق	شادی کا انتخاب	ولایتی ننھی
شہیدِ مغرب	اندلس کی شہزادی	فریبِ ہستی	دادا لال بھیکٹر
یادگارِ نثر	حضرت علامہ رشیدی علیہ الرحمۃ کی ان تصانیف کا اور دیگر مطبوعات عصمت کی مفصل اشتہار فرست کتب طلب فرما کر ملاحظہ کیجئے۔	بے فکر کی کا آخری دن	ادبِ لطیف وال
عالمِ نیوال		چندستانِ مغرب	قلبِ حزیں
سیاحتِ ہند		بھری ہوئی پستیاں	لڑکیوں کی اشا
		لڑکیوں کا نصابِ زیرِ طبع	مسلی ہوئی پتیاں

مصلحہ کاپتہ عصمت بک ڈپو دہلی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۹/۱۰/۱۳۸۵
۵۱۸۸

وہ تو خدا بیجاری پھوپھی کا بھلا کرے کہ اُس نے روزے نماز کے ساتھ تمام دنیا کی نشیب و فراز اور شادی کا اصلی راز اچھی طرح سمجھتی کو سمجھا دیا تھا۔ وہ پھر جیسا جیسی ساس کی باتوں نسیمہ کی وہ مٹی پلید ہوئی کہ شاید جان کے لالے پڑ جائے۔

(سرسرا میں قدم دھرتے ہی نسیمہ کا پہلا کاتم یہ تھا کہ وہ شوہر کی عادت و خصال سے جس قدر جلد ممکن ہو مکافعتہ واقف ہو جائے چنانچہ اس ٹول میں اس کو زیادہ وقت نہ لگا، مگر واقف ہو کر سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ بعض باتوں میں دونوں میاں بیوی کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ حالانکہ وہ شب و روز صرف اس کوشش میں سرگرم رہتی کہ کہ جس طرح ممکن ہو میں میاں کی ہنجیال ہو جاؤں یا اس کو ایسے مواقع بنا لوں تاکہ وہ کئے دن کے جھگڑے جو عام گھروں میں برپا ہوتے ہیں اور جن کی بڑی وجہ اگر غور کیا جائے تو محض میاں بیوی کے خیال کا اختلاف ہوتا ہے قطعاً نیست و نابود ہو جائیں مثلاً بیوی کو سرخ رنگ زیادہ پسند ہے۔ لیکن میاں کو اس سے قطعی نفرت، تو ظاہر ہے کہ بیوی رغبت کی وجہ سے اکثر اس رنگ کا استعمال کرے گی۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ لباس شوہر کو اچھا معلوم ہو زہر دکھائی دیکھا۔ ایک بیوی ہے کہ ہر وقت اپنے کسی غریز کی تعریف میں مصروف ہے اور شوہر اس کو پسند نہیں کرتا لیکن اس خیال سے کہ بیوی کو ناگوار نہ ہو اس کے سامنے کچھ کہتا بھی نہیں نتیجہ ظاہر ہے کہ یہی تذکرہ ناگوار ہوتے ہوتے نفرت کی حد کو پہنچ جائیگا اور اس طرح شوہر کے دل میں یہ بیج پرورش پا کر ایک زمانہ میں خاصا گھن دار و خوت ہوگا اور یہ میل کا بیل بڑھتے بڑھتے پھٹا اور پھر ساندینے گا۔ اس لئے بیویوں کا پہلا فرض یہ ہونا چاہئے کہ شوہر کو اپنا ہنجیال کریں یا خود اس کی ہنجیال ہوں اور کسی طرح خیال کے اختلاف کا خاتمہ ہو یہی تھا وہ اصول جس پر نسیمہ کی زندگی کا دار و مدار تھا۔ لیکن ایک بڑی یہ بھی کھیر رہی تھی کہ بعض معاملات میں فریقین کے خیالات میں بعد المشرقین تھا۔ نسیمہ نماز کی

ایسی پابند کہ موقع ملے تو تہجد و اشراق تک نہ چھوڑے قسیمیہ اس نام سے ایسا بنیرا کہ بس چلے
تو عید بقرعہ کی بھی صاف اڑا جائے۔ اس میں البتہ نسبہ کو کچھ سوچنا پڑا اور نہ بہت سی چھوٹی
چھوٹی باتیں ایسی تھیں کہ اس نے زبردست قربانی کی اور شوہر کو کچھ کہہ سکے گا بھی موقع نہ دیا۔ وہ
زنجین کپڑوں کی بچپن سے دلدادہ تھی مگر اتنا پتہ لگے ہی کہ قسیمیہ کو نفرت ہے۔ اس نے یک لخت
سفید لباس اختیار کر لیا۔ حالانکہ چاروں طرف سے اس پر بوچھاڑ شروع ہو گئی بعض نے تو
یہ بھی کہہ دیا بی بی! تم کو وہ ہم نہیں آتا؟ قسیمیہ زور پکڑ کر نہ کرنا تھا۔ نسبہ نے ہنیر کا پوڑا تیسرے
دن سے جو صندہ قچہ کے سپرد کیا تو پچھلے دن کا نام نہ لیا۔ یہاں تک تو کام آسانی سے نکلا، مگر
مذہب کے متعلق ٹٹولا تو میاں کو خدا سے کوسوں دُور پایا خود لا مذہب ہونے کے قابل نہیں۔
میاں کو خدا دکھا دینے کے لائق نہیں رات دن سوچتی اور کچھ نہ کر سکتی کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ
قسیمیہ نے بیوی سے کوئی مشورہ کرنا چاہا مگر یہ دیکھ کر کہ وہ نماز پڑھ رہی ہے خاموش چلا گیا
نسبہ اس خاموشی پر خاموش ہنوی بلکہ اس کو اندیشہ ہوا اور کچھ غلط بھی نہ ہوا کہ یہ خاموشی
ایک دن رنگ لائے گی اور اگر اس کا علاج نہیں کرتی تو نہ معلوم یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے
فکر میں تو وہ شروع ہی سے تھی مگر تمہت نہ پڑتی تھی کہ اس معاملہ پر شوہر سے گفتگو کرے۔ ایک
دین دوپہر کے وقت کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسیمیہ نے دوران گفتگوں بیوی سے
سامنے خدا کی قسم کھانی۔ بھلا اس سے اچھا موقع اور کون سا مل سکتا ہے۔ خدا کا نام مبارک
کی زبان سے سننے ہی نسیمیہ سنبھل بیٹھی۔ دل کڑا کیا اور بسم اللہ کہہ کر پوچھا۔

”تم نے اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے ایسا نام لیا کہ مجھ کو فوراً یقین آگیا۔ مگر“

اس نام کو ایسے موقعوں کے سوا کسی اور وقت بھی یاد کرتے ہو؟“

قسیمیہ میں مسلمان ہوں مسلمان بچہ کی گود میں بڑھا۔ مسلمان ماں کے دودھ۔
پلا۔ مسلمان گھر میں پرورش پائی مسلمانوں میں رہا سہا۔ بھلا پھر میں خدا کو کیوں نہ جانوں گا
کیا تم مسلمان نہیں سمجھتیں؟“

نہیں۔ ”تو یہ تو یہ ہیں اس قسم کا فتویٰ دینے والی کون مگر میرے سوال کا جواب دو۔
ہنسی میں نہ ٹالو۔ بڑھی شکل سے تو ہاتھ آئے ہو۔ خدا کے جاننے اور ماننے کا ذکر نہیں ہے۔ سوال
یہ ہے کہ ایسے ایسے موقوفوں کے سوا اور بھی کبھی یاد کرتے ہو؟“

قسم۔ ”ضرور کرتا ہوں۔“

نہیں۔ ”کب کس وقت۔ کس طرح؟“

قسم۔ ”رات کو بیوقوفی دفعہ اپنے دل میں۔“

نہیں۔ ”کس طرح کا جواب نہیں ملا۔“

قسم۔ ”مسکرا کر ملائی جی اہم تو جان ہی کو آگئیں۔ کہہ تو رہا ہوں۔ دل میں اس کی بزرگی

اور عظمت کا اقرار کرتا ہوں۔“

نہیں۔ ”ہاں یوں کہو۔ پھر اس کی عظمت کا اقرار ہے تو اس کے احکام کی تعمیل سے

انکار کیوں؟“

قسم۔ ”دنیا کی ضرورتوں کی تکمیل اور تکمیل کی وجہ سے مجبوری کچھری میں نماز نہیں پڑھ

سکتا۔ دورہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا۔ حج فرض نہیں ہوا۔ زکوٰۃ تم دے ہی دیتی ہو۔“

نہیں۔ ”کچھری کی مجبوری اول تو مجبوری نہیں اور اگر بالفرض مان بھی لوں تو صحیح اور عشاء

تو گھڑیاں پہنکتی ہیں۔ علاوہ ازیں اب اتنے روزے جو چھٹی پر ہو۔ یہاں کوئی ضرورتوں کی تکمیل ہے۔“

قسم۔ ”تم تو سہری ہو گئیں مطلب کہ کیا چاہتی ہو۔ اچھا میں کل دن نماز پڑھا کروں گا۔“

نہیں۔ ”نہیں ایسی نماز کی ضرورت نہیں میں تم سے مفصل بحث کرنی چاہتی ہوں۔“

بھی ایسی تدبیر بتا دو کہ میں اس سے چھٹی پاؤں۔“

قسم۔ ”واہ یہ خوب کہی! فرض ہے۔ میں کی طرح چھٹی دلا سکتا ہوں۔“

نہیں۔ ”سبحان اللہ! میرے لئے فرض کھارے مجبوری۔“

دونوں میاں بیوی اس فقرے پر دیر تک ہنستے رہے۔ یہ سلسلہ کلام چند لمحے

کے واسطے منقطع ہو گیا۔ قسیدہ سمجھا۔ رسیدہ بود بلائے دے بجز گذشت، چھٹکا را ہوا مگر تسلیہ کیا چھوڑنے والی تھی۔ اس نے کہا۔

میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم خدا کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو اور جو کچھ کہنا ہی شاید مجھے وہ کہنے کا حق حاصل نہیں مگر اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ زبانی اور عملی یقین میں آسمان اور زمین کا فرق ہے زبانی یقین میں اس کی عظمت کا خیال صرف رات کو آتا ہے عملی یقین میں اس کا خوف ہر وقت غالب رہے گا اور یہی یقین ان تمام خیالاتِ فاسد کو جو دل میں پیدا ہوں گے جڑ سے اکھاڑ دے گا۔ صرف مذہب ہی ہے وہ شے جو انسان کو بری باتوں سے روکے اور محض سستی باری تعالیٰ کا یقین کامل ہی ہے وہ علاج جو جھوٹ، حسد، کینہ، بغض، وغیرہ امراض میں تیر بہدف ہو تو تم دن میں دو مرتبہ نہاتے ہو۔ وضو کے واسطے کپڑے اتارنے کی ہمیشہ ضرورت نہیں کہ کالہ لٹائی کف وغیرہ خراب ہوں۔ اخبار دیکھتے ہو۔ کتابیں پڑھتے ہو۔ ٹینس کھیلتے ہو۔ اگر خطوری دیر اور دھرم متوجہ ہو جاؤ کیا خرابی ہے۔ اگر یہ خیال غلط ہے جو یقیناً غلط ہے کہ حشر و نشر و درخ وغیرہ کچھ نہیں تو ہمارا کیا بگڑا؟ بہر حال دنیا میں بہت سی خرابیوں سے بچے، اور اگر یہ خیال ٹھیک ہے تو پھر فرمائیے اس وقت کیا گزرے گی۔ رات دن بہت سی کتابیں پڑھتے ہو۔ کبھی اس سچی کتاب کو بھی غور سے دیکھو میں اس لئے نہیں کہتی کہ محض عقیدتاً بلکہ باعتبار ادب سچ کہتی ہوں وہ لطف آئیگا۔ کہ تمام مصنفوں کو بھول جاؤ گے۔

دونوں میاں بیوی آرام کریں گے پر لیٹے تھے۔ اتنا کہ کر تسلیہ سننے لگی اور کہنے لگی ”لو غور سے سنو“ آنکھیں بند کر کے اللہ کی بندی نے جو دور کو پڑھے ہیں تو قسیدہ سنائے ہیں رہ گیا۔

خوش الحان عورت، قرأت سے واقف، کلام اللہ جیسی کتاب۔ ایک ایک حرف تیر کی طرح قسیدہ کے کلیں میں گڑ رہا تھا۔ اپنے افعال کو یاد کر کے اتنا رو یا کہ تھکی بندہ گئی۔ تسلیہ

نہم کر مکی تو وہ سیاحت اٹھا اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا ”میں آج سے تجھ کو مرید ہوتا ہوں۔
اب انشاء اللہ نماز قضا نہ ہوگی۔“

نسیمہ نے شوہر کا ہاتھ سر پر رکھ لیا اور کہا ”کیا کہتے ہو میں بخاری کنیز ہوں۔ خدا
ہمارے ارادوں میں برکت اور دعوں میں صداقت عطا فرمائے۔“

(۲)

ساس بہوؤں کے تعلقات ایک نسیمہ ہی کے ساتھ کیا تمام دنیا میں مصیبت ہیں۔
قسیمہ کی ماں لاکھ پڑھی لکھی اور ہزار ہزرگوں کی ملنے والی تھی مگر اس آگ سے وہ بھی محفوظ نہ رہ
سکی۔ بیٹے کو دیکھا تو وہ ساعت بساعت اور لمحہ بہ لمحہ بیوی کا مرید ہونا چلا جا رہا ہے، بہو کو
دیکھا تو وہ ہشاش بشاش بہنیز اضبط کیا مگر تاب نہ لاسکی یا تو وہ رنگ بٹھا کر مٹھائی کے ٹوکے
تڑکاری کی جھلتیاں سب ماں کے آگے۔ یا یہ ڈھنگ ہوئے جو کچھ دونوں میاں بیوی نے ہاتھ
اٹھا کر بھجوا دیا وہ لینا پڑا۔ الخضر اختیار میں آیا فرق، وقار میں ہوئی کجی، بہو کے لاسے کی خوشی تو درکنار
الٹا بیر پڑ گیا۔ دیکھ دیکھ کر انکاروں پر لوٹتی۔ مگر سمجھدار عورت، زمانے بڑے ہوئے، سیدکڑوں
ساسیں اور ہزاروں بہوئیں دیکھے ہوئے، خاموش رہتی، اور اُفتانہ کرتی۔

نسیمہ ناخوابہ کا رزم، جھولی، سیدی، کچھ بھی تھی مگر وہ دھپتی بجھتی تھی۔ سودا کی نہ تھی۔
مڑن نہ تھی ساس کے تھوڑے صاف پہچان گئی یا تو وہ مشورہ شوری کہ دن بھر نندوں کا بھابی جان،
”بھابی جان“ کہتے منہ خشک ہو رہا ہے۔ دیوہ میں کہ دن رات بھادج کی گود میں بٹھتے ہوئے ہیں۔
یا یہ بے لگی کئی کئی گھنٹے نسیمہ کیلی کمرے میں گھٹی بیٹھی ہے کوئی اگر بھانکے تک نہیں، چاروں
چالوں تک تو ساس کی یہ عنایت و مہربانی کہ چوتھے چالے میں بہو کا ذرا ہنڈا پھینکا سنا
تو وہ دفعہ جانی کو بھیجا اور وہ بجے رات کے ڈولی کر، خود دیکھنے پہنچیں۔ مگر چالوں کے ختم
ہوتے ہی وہ شفقت وہ محبت ختم ہو گئی۔ کیلی کو پوچھنا گناہ، بیمار کو دیکھنا حرام پھر بھی اپنی طرف
سے نسیمہ بہت کچھ لگی پڑی رہی، جو معمول اول دن سے مقرر تھا اس میں فرق نہ آنے دیا۔۔۔

علی الصالح اٹھی پانی گرم کیا، نماز و تلاوت سے فارغ ہوئی اور ساس کے سلام کو حاضر دوپہر کو ادھر میاں پکھری گیا ادھر کھاپی سینا پروانے، ساس کے پاس آ بھی۔ دیو بروں کے کپڑے سے نندوں کا سر دھلایا۔ غرض سعادتمند ہو کے جو کام ہوتے ہیں وہ کرنے اور شریف بیٹیوں سے جو توقع کی جاسکتی ہے، کوہ پوری کرنی مگر اس بغض للہی کا کیا علاج کہ ہوسر سے کنواں کھودے اور ساس کی سمجھ میں نہ آئے۔

چھ مہینے کے قریب اسی طرح بسر ہو گئے اور قسیدہ کی چھٹی ختم ہونے آئی۔ کہنے کو تو پول زیادہ دور نہ تھا۔ ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کا راستہ، مگر اس کا بس چلتا تو وہ دم بھر کو بھی بیوی کو آنکھ سے اوجھل نہ کرتا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اماں خود ہی اس کے متعلق کچھ متظام کریں، مگر جب دیکھا کہ وہ کانوں میں تیل ڈالے بیٹھی ہیں اور جانے میں صرف دو روزہ گئے تو مجبوراً خود ہی بیوی سے کہا کہ ”اگر نامناسب نہ ہو تو تم بھی پول کی سیر کر لو۔“

پیشہ ”مجھے چلنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ مگر اما جان سے پہلے صلاح کر لو۔ اگر وہ بھی تشریف لے چلیں تو بہت اچھا ہے۔“

قسیدہ ”مجھے اُمید نہیں کہ وہ چلیں۔ اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو اپنے طور پر ذکر کرو۔“
پیشہ ”فقط ذکر سے تو کام نہ چلے گا۔ پہلی مرتبہ کا چلنا ان کی بلا اجازت ٹھیک نہیں۔ اس مرحلے کو تو تم ہی طے کرو گے۔“

(قسیدہ سسرال آنے سے پہلے ہی یہ خیالات اپنے ساتھ لائی تھی کہ شوہر کی رضامندی اگر زندگی کا عین مقصد ہے تو ساس کی دلجوئی کوئی گناہ۔ چھوٹوں پر شفقت، کوئی مصیبت، اڑوں کا ادب، کوئی غضب نہیں۔ اسی وجہ سے جہاں وہ شب و روز شوہر کے خیالات ٹٹولنے میں مصروف رہی وہاں ساس نندوں کا خوش رکھنا بھی پیش نظر رکھا۔
میاں کے عادات و اطوار سے تو وہ ایک پندرہ ہی روز میں اچھی طرح واقف ہو گئی۔ مگر ساس نندوں کا سودا کچھ ایسی ٹیڑھی کھیر تھا کہ چھ مہینے کی نگہداشت میں بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

یہ ہے کہ موبھی نہ سکتی۔ کون سی محنت تھی جو نہ کی، کیا خدمت تھی جو چھوڑ دی، اور کس قسم کی اطاعت تھی جس سے منہ پھیرا۔ دیوروں کی روٹی پکائی۔ مندوں کے کپڑے سے کماؤں کو طعنے سپہ۔ ساس کے آگے آنکھیں کچھائیں، تندرست کا سر گوندھا، تھکی ہوئی کے پاؤں دبائے۔ بیمار کی دوڑ پھی۔ غرض اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مگر شرکت محنت جو اس تمام فساد کی جڑ ہے نہ کھوکھلی ہو سکتی تھی نہ یہ غصہ مٹ سکتا تھا۔

بیوی کی گفتگو سن کر فیصلہ نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ وہ خود ہی معاملہ کو ماں سے طے کرے۔ یوں تو وہ اکثر ماں کے پاس جاتا اور بیٹھتا۔ لیکن اس ضرورت کے پیش آتے ہی کچھ ایسی جھجک اس کے دل میں بیٹھی کہ کئی دفعہ قصد کیا مگر زبان نہ اٹھی۔ آخر جانے سے ایک روز قبل دل کڑا کیا اور نیچی آنکھیں کر اس طرح کہا۔

”میری چھٹی کل ختم ہے۔ وہاں مجھ کو کھانے پینے کی سخت تکلیف ہے نوکر بخت اتنا بے ایمان ہے کہ روپے کی جگہ چارے کر بھی خوش نہیں ہو سکتا۔ اگر چند روز کے واسطے آپ تشریف لے چلیں تو بہت اچھا ہے۔“

ماں۔ ”بھلا بٹھا مجھے لیجانا ہوتا تو اب تک کبھی کالے جاتے۔ جو صاف بات ہو وہ وہ کہو میں ہو کر روکنے والی کون۔ جاؤ شوق سے لے جاؤ مگر یاد رکھنا کہ میویوں کو اتنا آزاد کرنا ٹھیک نہیں۔“

ماں کا جواب انہو لکھا یا ایسا نہ تھا کہ فیصلہ کو تعجب یا تسویش ہوتی۔ شادی کے چند ہی روز بعد سے وہ ان باتوں کا عادی ہو گیا تھا۔ مسکرا موش ہو گیا اور میوی تو آکر کہہ دیا تم اسباب باندھ لو۔“

ابھی تسیدہ جانے کے متعلق فیصلہ نہ کر چکی تھی، مگر اس خیال سے کہ مشاید جانا ہو جائے وہ سچ ہی صبح ساس کو اطلاع دے۔ شوہر سے کہہ بیگے گی کہ سب بل جل لے۔ اگلی ٹائی ہی میں تھی کہ بچھو پی نے کہا۔ ”بیٹی تمہاری آسانی پر سوسے بہت بیمار ہیں۔ دھمکے

کا دن ہے۔ پھر ڈولی ملنے کی نہیں۔ تم اسی ڈولی میں پہلے اُن سے مل آؤ۔“

(۳)

اُستانی کی بیماری کا حال سنتے ہی نسیم بچپن ہو گئی اور اُسے پاؤں ڈولی میں بیٹھ
بیدھی وہاں پہنچی۔ دیکھتی ہے تو اُستانی جی تن تنہا دبکی سکڑی، ایک پھٹے لحاف میں لپٹی،
جھلکے پر پڑی ہیں۔

کرکڑا تے جاڑے تھی، ہواوٹ پڑ رہی تھی اور اُستانی جی شربتِ بخار سے ہیوش پڑی
تھیں۔ اُن کے افلاس کا حال تو نسیم کو پہلے ہی سے معلوم تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ ایسی بنا آ پڑی۔
نسیم کیسی کٹر ساس کی بہو کیوں نہ ہو مگر پہلو میں ایسا دل لائی تھی جس میں ہمدردی
کا دریا ہر ذرت لہریں لے رہا تھا۔ اُستانی جی کو جاڑے پر جاڑا چڑھ رہا تھا اور میری طرح
تھوخر کا پنپ رہی تھیں۔ دیکھتے ہی تڑپ اٹھی۔ سر پر ہینر کی قیمتی رضائی تھی، اڑھا کر چاروں
طرف سے دبا بیٹھ گئی۔ سردی کم ہوئی تو اُستانی جی نے آنکھ کھولی۔ دیکھتی ہیں تو نسیم کی آنکھ
سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ ٹپ ٹپ پاؤں دبا رہی ہے۔ بیتاب ہو گئیں۔ لیٹے ہی لیٹے کچے سو
لگا لیا۔ دعائیں دیں اور کہا۔

”نسیم بیماری! یہ رضائی مجھ بیمار کو کیوں اڑھا دی؟“

نسیم ”یہ رضائی کیا اگر میری کھال بھی آپ کے کام آئے تو مجھے فخر ہے۔ ڈولی
تیار ہے۔ آپ ذرا میرے ساتھ ہسپتال تشریف لے چلیے۔“

نسیم کو ساس کو ان بچا پری اُستانی سے پُرانی عداوت تھی ادھر تو یہ ہسپتال
پہنچی، ادھر سے وہ چھوٹی بیٹی کو لے کر آئیں۔ بہو کی رضائی بڑھیا اُستانی کے سر پر دیکھ آگ
لگ گئی۔ سیانی ہو کر غصہ میں ایسی دوانی ہوئیں کہ لڑکی کا دکھانا بھی بھولیں اور گھڑیوں قسیم
غریب اپنا اسباب ٹھیک کر رہا تھا، آتے ہی اُس پر برس پڑیں۔

”جم جم ایسی ہوئیں آئیں جو ہمارے دشمنوں کو دوست بنائیں! غضب خدا کا

وہ شیطان کی خالہ امتہ ہجیر کی اتنی بھاری رضائی اوڑھے پھرے۔ جب تم نے یہ دھیمی ڈیڑھی چھوڑ دی تو آج ہیوی کی رضائی گئی کل میاں کی اچکن جائے گی۔ بھلا کہیں بھی دنیا میں سناؤ کہ میاں پر دیس سدھارے اور ہیوی ہیلیوں کے ساتھ باغوں میں سیر کرتی پھرتی ہیں۔
قسیم ابھی جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ نسیم ۱۰ جا اتری۔ انا اس نے بھی دیکھا کہ ہیوی گئی تھیں رضائی اوڑھے اور آئیں خالی ہاتھ۔ سر پر فقط دوپٹہ۔

جانے کا دن پہلے ہی کمزور ہو رہا تھا۔ ماں کے شور مچانے سے قسیم بھی ٹھکرا گیا۔ نسیم دس کو سلام کر اپنے کمرے میں آئی اور میاں نے پوچھا۔
”کہاں کہاں کی سیر کی؟ اتنی قیمتی رضائی استانی جی کو اڑھانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو ہماری قدیمی دشمن ہیں۔“

(۱) نسیم ۱۰ تھارے سوا اور کسی کے ساتھ بھی سیر ہو سکتی ہے۔ استانی جی میری ماں سے زیادہ ہیں۔ انھوں نے مجھ کو پڑھایا لکھایا۔ حیوان سے انسان بنایا عقل کی باتیں بتائیں زندگی کے اصول سکھائے، محنت کی، مصیبت اٹھائی، بولوں جان بڑائی راتوں دماغ کھلایا۔ گرمی کے لیے دن جاڑوں کی پہاڑی راتیں میری تعلیم پر بر باد کیں۔ خدائے جان دی انھوں نے ایمان دیا۔ ماں باپ نے دنیا دی۔ انھوں نے دین دیا۔ قدرت نے عمر دی۔ انھوں نے علم دیا۔ استانی جی نے جو میری رضائی کی محتاج تھیں اس فانی دنیا میں مدتوں ریح کیا ہے۔ ان کی مصیبت ہجرت کی تصویر ہے وہ خوش حال باپ کی بیٹی اور ایک رئیس اعظم کی وہ بیوہ ہیں جن کو قدرت نے زندگی کے چار بھول دے کر چھین لئے، اور خود جس کے آگے چار چار نوکر تھے وہ ایک کھنڈر میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ کیا میرا ایمان یہی تھا کہ میں اپنے تندرست جسم کی حفاظت رضائی سے کروں اور خدا کی ایک مخلوق میری محن جھاڑے کے بخار میں میری آنکھوں کے سامنے کھپکپاتی ہے۔ رضائی پھوپھی اماں کے ہاں موجود ہے۔ مگر لحاف کے لئے پاؤں روپے آئی ہوں تاکہ اس وقت

سے پہلے جب میں اپنے نرم اور گرم کچھوٹوں پر پڑوں اُن کے بدن پر لحاف پڑ جائے۔ وہ یقیناً
تھاری دوست ہیں ورنہ یہ شادی خانہ آبادی نہیں عمر بھر کی بربادی ہو جاتی۔ اُنھوں نے جب
تھارے سے غیر مخالفت کر رہے تھے تھاری حمایت لی اور پھوپھی اماں کو رضامند کیا تاہم مجھے
انکار نہیں اگر تم کہو تو میں اُن سے ملنا چھوڑ دوں لیکن میرا برونگٹا آخر وقت تک ان کے
احسانیت کا اعتراف کرے گا۔ اور میں اُن کی خدمت سے کسی حال میں غافل نہ ہوں گی؟
قیسمت غیر غلط نہیں ہوئی معاف کرو۔ اب تم اپنا اسباب باندھو۔

پیشہم: ابھی بات ہے مگر آج اما جان نا خوش ہیں۔ ایسی حالت میں میرا جانا بہت
نامناسب ہے۔ تم اس وقت بسم اللہ کرو۔ اب کے پھر میں انشاء اللہ چلوں گی؟
خوشی سے یا مجھو رہی سے۔ مختصر یہ کہ قسیم رات کی گاڑی سے روانہ ہوئے۔ اور
ہو ساس کی رضامندی میں مصروف ہوئی۔

(۴)

نسب پر کی چٹھانی کلیمہ کی ماں تھی اور قسیم کی خالہ زاد بہن مگر عورت کیا آفت کا پرکالہ
تھی جس نے ساس کو ناک چنے چو اویسے۔ چھ برس کی بیانی۔ چار بچوں کی ماں۔ کچھ ایسی بچہ بھی
نہ تھی، مگر روزہ سے تنفر، نماز سے انحراف، علم سے بے بہرہ، جاہلوں کی سردار کلمے میں زور، پتھر پر
ساس، شیر کی طرح گھر بھر کو زیر کر رکھا تھا، ساس پاؤں کی جوتی، شہر پہلے دام کا غلام گھر
پر حکومت کا ڈنک بجاتی تھی قسیم کے بڑے بھائی کا لڑکا نہیں جس کو ماں باپ سات
بھینے کا چھوڑ کر مرے تھے اب پانچ سال کا گھر بھر کی جان تھا۔ اُس کی اتنی مجال نہ تھی کہ چچی
کی طرف رخ کر لیتا۔ دادی اس بچہ پر پروا نہ تھیں، مگر بھتیجی ہو جب آڑ سے ہاتھوں لیتی تو چچی
منہ نکلتیں۔ خدا کی قدرت ایک روز علی الصبح کلیمہ اور قسیم دونوں بچے اٹھ باہر نکلے۔
اور ریٹھے کی ایک گولی پر لڑائی ہوئی تھی تو قسیم کی مگر کلیمہ جس نے بے ایمانی اور دغا کے
دو وجہ سے پرورش پائی تھی۔ گولی جیب میں ڈال، لگا روئے اور چلائے۔ مگر قسیم پر اٹھا

جھوٹ کی گود میں پروان چڑھا، حمایت کو باپ شہ دینے کو ماں اور قی اس کی جوتی اور سچ
ہوتا اس کا صدقہ بیٹے کی آواز شکریاں دوڑتی ہوئی دروازے پر آئی۔ بچہ نے وہ فیصل
مچائے کہ میل کا ہیل بنادیا کیجنت بلکتا رہا اور یہ کہتا رہا ”میرے پیٹ میں فہیدم نے لات
ماری“ کہاں کا رحم کدھر کا ڈرا اور کیا انصاف سنگ دل عورت، یتیم فہیدہ کو گھسیٹتی ہوئی
لائی اور دروازے ہی میں ایک ایسا دوہتر دیا کہ بلبل اٹھا۔ پانچ برس کی جان اس قصائی کے
آگے سہا کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا۔

”سچی جان میں نے تو نہیں مارا“

کتر چچی کیا رحم کرنے والی۔ دروازے ہی میں مارے طمانچوں کے منہ لال کر دیا۔ مار چکی
تو دیوار میں ایسا دبھکا دیا کہ بچہ ہولہان ہو گیا۔ خون کی تلی ہوئی سے پیہم ہی تھی خوف کے
مارے کانپ رہا تھا اگر آواز مطلق نہ نکلتی تھی۔ بن باپ کا بچہ جس کو اس وقت ظالم سے
بچانے والا کوئی نہ تھا حسرت سے چچی کا منہ دیکھ رہا تھا۔ معصوم نگاہیں سچی کا ثبوت
تھیں اور خون کا ہر قطرہ بیگناہی کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اسی حالت میں ایک ہاتھ سے پکڑے
اٹھا کر لائی اور ساس کے آگے یہ کہہ کر قہقہہ دیا۔ ذرا اس فستے کی کارستانی دیکھو اور ہاں
بیٹھا دیوار سے سر جھوڑ رہا ہے کہ کوئی کچھ کہے نہیں۔

پھول سا بچہ جس پر یہ چار چوٹ کی مار پڑی، اتنی دیر کے پھینکنے سے بالکل ہوش
ہو گیا۔ داوی نے جلدی سے اٹھا کر گود میں لٹایا۔ نسیمہ پانی گرم کر کے منہ پوچھنے آئی، بچہ
ہوسنیا رہا تو ساس نے کہا۔

”منجھلی ہو! بن ماں باپ کے بچوں پر ایسا ظلم نہیں کرتے۔“

منجھلی ہو! ذرا عقل کے ناخن لو میں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اتنا بڑا الزام
اٹھانا اچھا نہیں وہ تو بہانہ باز ہے۔ تم اس کے دھوکے میں اگر جھک کر اتنی بڑی بات کہتی ہو
خیر میرا اچھا راز انصاف خدا کے پاس ہے۔

وہ ساس جو نسیمہ کی ایک رضائی پر اس قدر بھری تھیں ناہنجا رہو کے سامنے بالکل خاموش ہو گئیں۔ جانتی تھیں کہ زبان ملانی بے سود ہے۔ اپنا دُعا پڑھتا تھا۔ نہ ایک کہوگی نہ چار سونوں کی۔ اگر آدھی بات کہتی ہوں تو سات پشیں پُن کر رکھ دے گی۔

ساس بہوؤں کے تعلقات پر کوئی خاص رائے قائم کرنی اتنی ہی مشکل جتنی میل بیوی کے خیالات پر ہر جگہ کے حالات جداگانہ ہیں۔ ہاں قدسیمہ کی ماں سے ہم کو یہ شکایت ہو سکتی ہے کہ گو نسیمہ نے زندگی بھر ساس کو کبھی جواب تک نہ دیا۔ لیکن جس قدر وہ منجھلی بہو سے محبت کرتی تھیں اس سے چوتھائی بھی نسیمہ سے کرتیں وہ تو اس شان کی لڑکی اور اس آن بان کی بہو تھی کہ مرتے دم تک ساس کے پاؤں دھو کر پتی اور منجھلی بہو سے بھی اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ساس نے مرتے دم تک اس کو کبھی تکلیف نہ دی، لیکن اگر وہ نسیمہ سے اٹھواں حصہ بھی ساس کی عظمت کرتی تو ساس اس کو سر آنکھوں پر بٹھاتی۔

ک۔ جس طرح بیٹی کی دوا رب ماں باپ یہ سمجھ لیتے ہیں۔ اور صرف سمجھ ہی نہیں لیتے بلکہ متوقع ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میاں بیوی ایک جان دو قالب ہوں اور ہم سے کچھ زیادہ واسطہ نہ رہے۔ اسی طرح لڑکوں کی شادی کے وقت ماؤں کو یہ سمجھ لینا چاہئے اور سمجھ ہی لینا نہیں یقین کر لینا چاہئے کہ جو لڑکی اپنے تمام عزیز و اقارب اور گھر بار کو چھوڑ چھاڑ رہا ہے ہاں آ رہی ہے وہ کیا چاہتی ہے۔ اس کی اس تریانی کا عین مقصد کیا ہے۔ یہی ناکہ دونوں ایک ہو جائیں، پھر اس مقصد کی ابتدا ہماری ناخوشی کا باعث کیوں ہو۔ ہم کو اس کی تکمیل میں مدد دینی چاہئے ناکہ دونوں روجوں کی زندگی کا جو مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ اسی طرح بہوؤں کو اچھی یہ مان لینا چاہئے کہ آج ہماری زندگی ہو کی حیثیت سے ہے۔ لیکن آ رہا ہے وہ وقت جب ہمیں ساس بننا ہے اور آج ہم کو اپنی ساسوں سے وہی سلوک کرنا چاہئے جو کل ہم اپنی بہوؤں سے توقع رکھتے ہیں۔

فہیمہ ہوشیار رہو! تو بچاؤ میں ہل ہلا رہا تھا۔ چوٹ دماغ پر کاری لگی۔ ہر چیز

نسیمہ اس کو بہلا رہی تھی مگر چچی کا خوف اس قدر طاری تھا کہ چاروں طرف گھبر کر دیکھتا اور پھر ڈر کے مارے منہ چھپا لیتا۔ اسی حالت میں نسیمہ اس کو ساتھ لے، اپنی پرانی سہیلی مس مہربانی کے پاس لائی جو مشہور ڈاکٹر تھی۔ میرو جی نے نہایت غور سے دیکھا۔ سجا رشتہ کا تھا اور بچہ کے دل میں ایسا خوف بیٹھا تھا کہ اس کو ہر طرف وہی ظالم نظر آتی تھی۔ لپٹی ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا کہ ”دماغ پر چوٹ آئی ہے، لٹخہ رکھو اور دوا دلاؤ۔ امید ہے کہ اچھا ہو جائے گا۔“

ڈولی میں بیٹھی تو نسیمہ نے فحیمہ کو کلیجہ سے چمٹا لیا اور خیال آیا کہ آہ لے کر کجنت دنیا تیرے جلوے کیسے سمیٹا رہی ہیں۔ یتیم معصوم جس کے سر سے دونوں شفیق ماں اور باپ کا سایہ اٹھ گیا ہرگز ایسی نرا کاٹتی تھ کہ صاحب اولاد عورت کے ہاتھوں اس مصیبت میں گرفتار ہوتا۔ آج اس بد نصیب پردہ کی کے ہوا کوئی دوا شوگرانے والا بھی نہیں ہے۔

ان ہی خیالات میں غلطاں وہ بچیاں گھر پہنچی۔ دوا بلائی اور بچہ کو رضائی اڑھا کر اس میں بے بیٹھ گئی۔ دادی کی بھی پانچ برس کی محنت۔ سر دے کا سراوہ رے ہوسے بیٹھ گئی۔ آئیں، اس کا منہ کھولیں۔ پیار کریں اور روتیں۔ مگر بڑھا پاتھا ایندھن ہو رہی تھیں۔ خدمت کے لائق نہ تیار داری کے قابل۔

آدھی رات کا سسنان وقت تھا اور تمام گھر بے خبر پڑا ہوا تھا، صرف نسیمہ بچہ کو گود میں لے بیٹھی تھی اور دادی جاننا ز پر بیٹھی دھائیں مانگ رہی تھیں۔ دفعۃً بچہ نے آنکھ کھولی۔ اس کی آنکھ کھولنے ہی دونوں کی جان میں جان آئی۔ برابر ان کی بیٹی پر دودھ رکھا تھا۔ چار چھ دودھ کے نسیمہ نے پلائے، مانتے پر پیار کیا اور کہا ”فحیمہ میاں کیسا جی ہے“ ۹

شکل ل چچی کی تصویر معصومہ نکھیں بھولی نہ تھیں۔ سہم گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا ”

”چچی جان میں نے نہیں مارا“

ایک تیر تھا جو نسیمہ کے کلیجہ میں گھسا یتیم کی بگینا ہی پر ترپا اٹھی منہ پر منہ رکھا اور کلیجہ سے

لگا کر کہا

”نہیں دسہی۔ لو آٹھیس کھو لو! دودھ اور پیو“
 منہ پر بند رکھے روتی رہی تو بچہ چونک پڑا آٹھیس کھولیں، شیشہ کچھ کھنچا ہستی تھی کہ
 اس نے پھر ششمانی ہوئی زبان میں رک رک کر سہمے ہوئے کہا
 ”نہیں چچی جان میں نے نہیں مارا“

ساس بیویں ایک ایسی عورت کے لال پرور ہی تھیں جس کی ہڈیاں بھی گل کر خاک ہو گئیں
 کہ بچہ گھبرا کر اٹھا بیٹھا۔ چاروں طرف دیکھا اور تیسری دفعہ اپنی سگنیا ہی کا اظہار کیا۔
 ”چچی جان میں نے نہیں مارا“

اس فقرے کے ساتھ ہی معصوم کو ایک ہلکی آئی اور رخصت ہوا۔

(۵)

قیاس چاہتا تھا کہ شیشہ کی اس خدمت اور سہمدی کا ساس پر کوئی خاص اثر
 ہوتا۔ مگر افسوس یہ توقع غلط تھی۔ ہوا اگر کم۔ لیکن شیشہ اس حالت میں بھی ہنر آرائی کی
 مستحق ہے کہ باوجود ساس کی احسان فراموشی کے وہ بسنڈران کی دلجوئی میں سرگرم رہی۔
 اپنے ضروری کام کاج چھوڑ۔ دن کا بڑا حصہ ان کے ساتھ گزارتی اور اس خیال سے
 کہ رات کو عالم تنہائی میں بچہ کا خیال پریشان نہ کرے وہ بعض دفعہ آدھی آدھی رات تک ان کے
 پاس رہتی اور جب تک وہ سو نہ جاتیں نہ سرتی۔

مبغلی سے جو حقیقت اس تمام واقعہ کا باعث تھی۔ انھوں نے کبھی یہ بھی نہ پوچھا
 کہ تیرے منہ میں کسے دانستہ ہیں نہ پوچھا نہ پوچھ سکتی تھیں۔ بہت سی نہ جرات۔ ہاں نزلہ بر عضو
 ضعیفہ جب کبھی مزاج بگڑتا پریشان ہوتی تو وہی سنے دے کہ ایک غریب شیشہ ایسی
 پر غصہ آتا رہتیں شیشہ آخر انسان تھی بسا اوقات ناگوار گزرتا مگر جانتی تھی کہ ان کی حالت
 خود قابل رحم سبب صدمہ لے رہی تھی اور بھی کڑی ہے۔ یہ صبر و تحمل دین دنیا دونوں

کی غلامی کا باعث ہو گا۔

(۶)

ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ چند روز بعد عام دستور کے موافق نسیمہ کی سانس بچہ کا صدرم بھول بسر جائیں گی مگر پانچ برس کی محنت تھی فہم خود نو قبر میں جا سویا لیکن وادی کو زندہ درگور کر گیا۔ ان کی کیفیت یہ ہوئی کہ لمحہ بھر کو بھی اس کا خیال نہ بھولتیں۔ دن رات رتوں اور دیوانوں کی طرح ادھر ادھر بھر تیں کبھی اس کے کپڑے محال کہ پیر کرتیں، کبھی اس کے کھانسنے لاکر چمتیں۔ رات کو جب سب سو جاتے تو دروازے تک جا پہنچتیں۔ کسٹڈی کھول باہر نکل جاتیں۔ ماں کی حالت سن ایک مہینے کے واسطے نسیمہ بھی آیا مگر سچا لیا ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ کل کھل کر بڑی بی کا ہتھی جیسا ڈیل سو کہ کر کاٹھا ہو گیا۔ روز بروز حالت ردی ہوتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئیں۔ اس موقع پر نسیمہ نے سانس کی وہ خدمت کی کہ کنبہ اور عزیز نو درکنار محدا اور جان پہچان بھی واہ واہ کرنے لگے صبح کے وقت ایک روز بڑی بی نے نسیمہ کو اپنے پاس بلایا۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا ”میری تقدیر میں تمھاری بہار دیکھنی نہ تھی مگر تجھے یقین ہے کہ تم دنیا میں خوش و خرم ہو گی اور میں دعا کرتی ہوں کہ تم ہمیشہ شاد آباد رہو۔ مجھے افسوس ہے کہ تم جیسی بہو کی قدر نہ کر سکی اور اکثر خواہ مخواہ تمھاری فضیحت کی لیکن میں اس وقت ان سب عزیزوں کے روبرو تم سے اس کی معافی مانگتی ہوں۔ میرے دل میں جو ارمان تھے وہ دل کے دل میں رہے۔ موت سربراہ بنی، مگر سب سے زیادہ تم سے شرمسار چلی۔ تم بہو تھیں، مگر بیٹیوں کی محبت دل سے بھلا دی۔ تم جیسی عورت دنیا میں ناخوش نہیں رہ سکتی۔ خوش نصیب تھی وہ سانس جس کو تم جیسی بہو ملی۔ اور بھلا گوان ہو گا وہ گھر جس کی بہو ی تم ہو گی۔ الہی دنیا کی بہاریں اور خوبیاں تمھارے واسطے اور جس طرح تم نے مجھ کو خوش رکھا اس طرح تم خوش رہو۔ میں اس گھر سے رخصت ہوتی ہوں۔ اب اس گھر کی آگ و عمر میں چھوٹی ہو۔ مگر بڑی بوڑھی تم ہی ہو یہ دونوں کنواری

بیٹیاں جو میرے پاس خدا کی امانت تھیں تھارے سپرد کرتی ہوں بیٹی بن باپ کی بچیاں ہیں، خطا کریں تو درگزر کرنا اور جس طرح آج تک میری عزت کی ہے، میری اس آہنری درخواست کی لاج رکھنا۔ نسیمہ بیگم! میرا رواں رواں تم کو دعا میں دے رہا ہے دواع کے وقت ماں اور بھوپتی نے گلے لگا یا ہوگا۔ اب میں اس دنیا سے وداع ہوتی ہوں۔ آؤ میرے کلیجے لگو اور میری دعا لو۔ اللہ العلیٰ بن میری بیٹی سے بہتر ہو، جس نے ثابت کر دیا کہ واقعی بہنیں بیٹیوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ تیرے سپرد ہے معبود حقیقی! یہ دنیا میں پھلے پھولے اور جیسا مجھ کو خوش رکھا ایسے ہی یہ بھی دنیا میں راج کرے۔“

بڑی بی آنا کہکھ تکھ گئیں۔ نسیمہ اور قسیمہ کیا سب کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے اور آمین کی آوازیں آرہی تھیں۔ اسکو چوتھے پانچویں روڑ بڑی بی اپنے اصلی گھر حضرت موسیٰ (ع)

مرنے والی معمولی گری پڑی عورت تو تھی نہیں نواب غلام رسول خاں جاگیر دار اسلام آباد کی بیٹی اور سالار میر اعتماد الد ولد کی بیو۔ خود بھی بہت معقول جائیداد اور لڑکا نائب تحصیلدار اور پانچ ہزار کا زیور چھوڑا۔ موت کی خبر آنا غامض تمام شہر میں پھیل گئی اور آنے جانے والوں کا تانا بانہا بندھ گیا۔ قسیمہ کہنے کو تو بی لے، پڑھا لکھا، نئی رٹنی کا دلدادہ ترک رسوم پر آمادہ تھا، مگر وقت پر اتنا بودا نکلا کہ کوئی بیٹی بھی خیالات کی ایسی بیٹی نہ ہوگی۔ پھولوں کا تختہ دو ہزار کا تھا۔ نسیمہ چہنیز و کھنیز کے وقت تو خاموش رہی مگر اب اس نے میاں سے صاف کہہ دیا۔ یہ فضول صرف، حاصل دین نہ حاصل دنیا کس کام کا؟ سو اس کے کہ آفتے اور چٹے کپڑے اور موٹے تازے مفت کا کھانا اڑائیں۔ تم کو جو کچھ دینا ہے کسی مسجد مدرسے یا یتیم خانے میں نقد بھیج دو۔ باقی پھولوں کی رقم بالکل فضول ہے۔ سب کو اطلاع دے دو کہ کچھ نہ ہوگا جب ہم پڑھے لکھے ہی ان رسموں میں پڑ کر اپنی جڑیں بھوکھلی کر دیں گے تو جاہلوں کا شمار کس گنتی میں رہا۔ ذرا مجھے بھی لوتنا دے تم نے

اس میں کیا فائدہ سوچا۔ مردے کے ثواب کے واسطے میں خود زندہ بیٹھی ہوں جو ہو سکے گا پڑھوں گی اور بیچاؤں کی غور کرو ابھی تمھارے آگے ایک چھوڑ دوہنیں موجود ہیں ان کو بھی آخر نبھالے۔ اگر اس وقت یہ پونجی ختم کر دی تو اس وقت کس کے آگے بھیک مانگیں گی۔ اصلی غرض تو مردے کا ثواب ہے اگر وہ حاصل ہو تو میں منع نہیں کرتی۔ چشم ماروشن دل ماشاد۔ لیکن یہ تو صرف نام نمود ہے اور کچھ نہیں۔ سینکڑوں اللہ کے بندے انھیں جھکڑوں میں اندھے بن کر تباہ ہو گئے۔ کیا تم کو انہیں معلوم کہ یہ رسم اصل میں ہندوستان میں ہندوؤں سے مسلمانوں نے لی ہے۔ ورنہ عرب میں جتنے آدمی میت کے گھر تعزیت کو جاتے ہیں وہ اپنا کھانا اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور خود صاحب خانہ کو اپنے ساتھ بھٹا کر زبردستی کھلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے صدمہ میں اس لائق نہ ہو گا کہ گھر کے کھانے کا انتظام کیسے۔ میرے تو ان آنے والی بیویوں کو دیکھ کر ہوش اڑے جاتے تھے۔ ان کو تو خاصی چھی عید ہو گئی تھی، بال، زندہ چاؤ شکر دھڑلے سے اڑائیں اور خواہ مخواہ منہ ڈھانک کر چھوٹ موٹ کے آنسو گرا دیں۔ ایک یہ بھی میں نے عجیب بات دیکھی کہ بنا وجہ مرنے والی کا ذکر کر کے تکلیف پہنچانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ حالانکہ جو صدمہ ہم کو ہے وہ ظاہر ہے۔ ان کے ابھارنے کا محتاج نہیں اور جس قدر اچھی دہ تھیں ہم خود جانتے ہیں ان کی باتیں یاد کرنا اب ہمارے رخصتوں پر تک چھڑکنا ہے۔ میری ایک سہیلی مس ڈبین مجھ سے کہتی تھیں کہ ہمارے یہاں جب لوگ تعزیت کو آتے ہیں تو ان میں سب سے زیادہ تعریف کا مستحق وہ ہوتا ہے۔ جو صاحب خانہ کو ہنسنا دے۔ میرے خیال میں تم کو جو کچھ دینا ہے۔ ”انجمن اشاعت اسلام“ میں مجید و میں اپنے ہاتھ سے کھانا پکا دیتی ہوں تم لے کر جاؤ۔ یتیم بچوں کو۔ رانڈوں کو اپا بچوں کو محتاجوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے سامنے کھلاؤ تاکہ ان کو ثواب پہنچے۔ اور وہ بھی سمجھیں کہ دنیا میں ایسے لوگ چھوڑ کر تائی ہوں جو صرف جائداد اور مال ہی کے وارث بننے کو نہ تھے بلکہ مجھے بخیر دینے والے تھے۔“

شام زندگی

بیوی کی یہ تقریر خالی جانے والی نہ تھی قسیمہ کے دامن گر گئی۔ اس نے ایک ہزار و پچھتہ مسجروں، مدرسوں اور انجمنوں یتیم خانوں میں بھیک بربانی متجن کو خاک میں ملا یا اور بی نسیمہ کی بدولت اس رسم کا خاتمہ ہوا۔

(۸)

چھٹی تنقہ ہوتے ہی قسیمہ نوکری پر چلا گیا اور نسیمہ اس خدمت کے انجام دینے میں مصروف ہوئی جو اس کے سپرد کر گئی تھیں۔ راجہ اور راجہا جبرہ دو مندوں کی تربیت ایسی نہ تھی کہ نسیمہ کو دقت ہوتی، مگر خرابی آکر یہ پڑی کہ راجہ بڑی لڑکی بھلی بھاوج کے چٹوں میں کھلم کھلا نسیمہ کی دشمنی پر کمر بستہ ہو گئی۔ نند بھاوجوں کا رشتہ ایسا پیڑھا ہوتا ہے کہ نسیمہ کو اس کی زیادہ پرواہ کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اکثر عزیزوں یہاں تک کہ خود قسیمہ نے بھی یہی صلاح دی مگر اس کی وصیت ایسی نہ تھی کہ نسیمہ محض اپنی نفست کے مقابلہ میں اس کی وقعت نہ کرتی۔ اس نے میاں کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اچھی بات ہے دیکھی جائے گی، مگر خود اسی فکر میں رہتی کہ کسی طرح مرا بعد درست ہو جائے لیکن اس خالی خولی فکر سے ہوتا کیا تھا۔ اس پر بھلی بھاوج کی عادات کا اتنا کافی اثر پڑ چکا تھا اور پڑ رہا تھا کہ نسیمہ کے چٹائے نہ چھٹ سکتا تھا۔ نسیمہ لاکھ سعادتمند بہو اور شفیق بھاوج تھی مگر خود داری کا مرض اس کو بچپن سے تھا۔ زبان ملانا تو درکنار وہ ایسی ویسی بات کو سننی اور ٹال دیتی نتیجہ ہوا کہ لڑکی دن دو فی رات چو گئی ہوتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دن جبکہ نسیمہ نے اپنی چند سہیلیوں کی دعوت کی مرا بعد زبردستی کھانے کے انتظام میں گھس گئی۔ ہر چند نسیمہ کو اس کی ضرورت تھی نہ خواہش، مگر یہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ منہ کو ٹکڑا توڑ چھاپ دیتی اور کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانے دیتی پھر بھی اتنی ہوشیاری کی کہ اس کے تمام کام اپنی نگاہ میں رکھتے مگر بس۔ سبھی چوک گئی۔ کھانے کے بعد چار کا وقت آیا تو ظالم نے کیا کمال کیا کہ طشتریوں میں تین رکھ اور پر سے کھانڈ برک دی۔ پیتے والیاں پھر بھر پیچھے کھانڈ

ڈال رہی ہیں مگر چاہتی ہوئی جا رہی ہے تکلف کے مارے کوئی کچھ کہتی ہے نہ سنتی
 نسیمہ اصرار کرتی ہے تو ایک ایک چھپے سب پی لیتی ہیں اور پھر ہاتھ گرک جاتا ہی۔ لڑکی
 ہے کہ جو کھٹ میں کھڑی غل غل ہنسنے جاتی ہے۔ نسیمہ بہتر اخور کرتی ہے مگر سمجھ میں نہیں
 آتا۔ جہاں بیویاں خود نام ہیں اور کچھ کہہ نہیں سکتیں کہ یہ بیٹی چار تو دیکھی نہ سنی۔ ایک
 دوسری کا منہ دیکھتی ہے اور چپ ہو جاتی ہے۔ آخر نسیمہ خود اٹھی منہ کو منع کیا تو اس
 نے اور ٹھٹھے مارنے شروع کئے۔ پیالہوں کو دیکھتی ہے تو جوں کی توں جھوٹو دھچپہ
 بھر کر چا چکھی تو کھانڈ کے بدلہ میں! کھانڈ کو دیکھتی ہے تو بین سے اوپر ننگری کی تہک چپی ہوئی
 ہے غصہ تو بہت آیا اور شرمندہ بھی خاصی ہوئی مگر کر کیا سکتی تھی۔ جلدی سے اور چار
 تیار کی۔ برتن صاف کئے اور ننگری کھال کر سامنے رکھی تو سب نے چار پی اور رخصت ہوئیں۔

(۹)

بات تو گئی گزری ہوئی مگر اب بعد کی اس حرکت کا نسیمہ کے دل پر ایسا اثر پڑا جو
 کسی طرح زائل نہ ہوا تھا وہ اچھی طرح دیکھ رہی تھی کہ اب بعد آٹھ سات برس کی بچہ نہیں
 پندرہ چودہ برس کی لڑکی، چیر چارہ بکھارہ دپانچ، ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی۔ بولتی ہوتی دونوں
 نند بھاد جس جگہ کو الٹا دیوانہ بنائیں گی۔ نہیں بولتی تو لڑکی کے دین و دنیا دونوں برباد
 ہوئے۔ اس سے تو بات نہ کرتی مگر اس کی حرکتوں پر گھنٹوں بیٹھی غور کرتی۔ علی الصباح
 ایک روز نسیمہ بیٹھی تھا سحر کا سر گونہ رہی تھی کہ ماما نے آکر بھوپنی کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا۔
 برخوردار نسیمہ دیکھ اہل میں رسالہ رانی کی چھٹی میں گئی تھی وہیں تمہاری چھٹانی
 اور مراد بعد سے ملی میں نے سال بھر کے بعد مراد بعد کو دیکھا تھا۔ دیکھ کر جی خوش ہوا
 ماشاء اللہ خوب رنگا نکلا ہے۔ مگر بات کی اس کی حالت دیکھ کر تو ایکس میں کیا تمام گھر
 نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔ غضب خدا کا خالہ نصیبو لڑکی کو اس بری
 طرح دسترخوان پر چھڑکا ہے کہ سب سٹائیں رہ گئے۔ اتنی عمر میری ہونے آئی

میں نے بھی کواریاں اور بیاسیاں ہزاروں ہی لڑکیاں دیکھیں، مگر کنواری بیٹیوں کو جھومر اور جھالے پہنے کہیں نہیں دیکھا۔ اور اگر خیر بٹھا رہے ہاں کی یہ رسم ہے تو یہ نمکنت اور غور کس خدا نے بتایا ہے کہ اس غریب کو براہینہ بیٹھنے دیا۔ اسلام کا دسترخوان عام ہے زیور اور لباس کی کیا خصوصیت۔ دولت ہر فی پھرتی چھاؤں ہے۔ امیری کسی کی ذات

اور افلاس کسی کا پیشہ نہیں۔ مجھے افسوس اس کا ہے کہ بھاری تربیت اور بہ نتیجہ! میں اس وقت موجود تھی جب بھاری ساس اللہ بچنے جنت کو سدھاری ہیں اور یہ بچیاں بھاری سپرد ہوئیں بیٹی تم نے ساس کے قول کو خوب نباہا کیا تم کو اپنی پرورش یاد نہیں۔ ہم نے دیکھ لکھ کر تم کو سکھ دے ہیں۔ ابھی تو ابتدا ہے آگے چل کر کیا کرو گی۔ مرنا ہے اور ساس کو منہ دکھانا۔ اچھی لڑکی اٹھائی۔ دنیا میں تو خیر چاروں طرف کی بدنامی ہو گی مگر بیٹیم بچوں کی پرورش کا جواب خدا کے ہاں دینا آسان نہیں نسبیمہ بیگم اس وقت کو سمجھو اور اس کے جواب کے لئے تیار ہو جاؤ جو ساس کی موجودگی میں دینا ہے بیٹی بڑا نازک وقت ہو گا۔ بڑے بڑے ایمان دار گھبرا کے ہوئے ہونگے اور اچھے اچھے امین پریشان۔ یاد رکھو ابھی کچھ نہیں گیا۔ اس امانت کو اب بھی سنبھال لو ورنہ دین اور دنیا میں خمیازہ بھگتو گی۔“

پھوپھی کا یہ خط پڑھتے ہی کاٹو تو نسبیمہ کے بدن میں خون نہ تھا۔ آخر اس کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ مجبور نسبیمہ نے شوہر کو خط لکھا جس کا ایک حصہ یہ تھا۔
”ساس سسرے ہوں یاد یو جیٹھ۔ نذر بھاو جس یاد یو رانیاں اجھٹانیاں۔ یہ رشتہ کچھ ایسے نازک ہوتے ہیں کہ بے وقوفوں میں خواہ مخواہ کا حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ نذر بھاو ہوتی ہے تو بھاو ج کی بلا سے اور ساس کو اذیت ہو تو اس کے صدقے سے۔ مگر نہیں کسی عزیز کی تباہی ہماری اپنی تباہی اور اس کی بربادی خود ہماری بربادی ہے۔ اپنے تو اپنے ہمارا فرض تو یہ ہے کہ ہم غیروں کی مصیبت پر آنسو بہائیں۔ نہ یہ کہ جان بوجھ کر

اپنے کلیجے کے ٹکڑے کنوئیں میں دھکیل دیں۔ میرا کجخت دل تو ایسا ہے کہ میں پڑوسلوں کی مصیبت پر راتوں رات روتی ہوں اور یہی انسانیت کا سب سے بڑا جہر ہے۔ آٹا جان کو مرے سال ہونے آیا۔ پرانا ماننا یہ تم نے آج تک نہ پوچھا کہ یہ بد نصیب نہیں کیا کر رہی ہیں اور کس طرح ان کی بسر ہو رہی ہے۔ عید پر اشار اللہ تم ڈیڑھ پونے دو سو کا کپڑا لائے۔ ہلکجروا بھٹارا سند دیکھ کر چپ ہو گئی۔ اگر ایک اوڑھنی کا کپڑا ان کبختوں کا بھی لے آتے تو کیا مضائقہ تھا مجھ سے جس طرح ہوا میں نے اس کا دل رکھ لیا۔ ایک نہیں میں نے اس کی چھ اوڑھنیاں بنا دیں مگر بھاری بات بھارے ہی ساتھ تھی۔ آٹا جان آج قبر میں سو رہی ہیں باپ کو آنھوں نے آنکھ کھول کر دیکھا نہیں۔ اب لے دے کر ان کے وارث جو کچھ ہو تم ہو۔ ان سے نفرت کرو گے تو کلیجے سے کون لگائے گا کیا اماں جان کے الفاظ تم کو یاد نہیں رہے؟ وہ ان کا ہاتھ بھارے ہاتھ میں دے گئی ہیں۔ بیچاریاں سدا بھارے در پر پٹھنے والی نہیں چند روز کی جہان ہیں۔ پھر یہ کہاں اور ہم کہاں۔ دنیا نے ان کے حوصلے مٹا دیے۔ ماں کی موت ان کی انگلیوں کا خاتمہ کر گئی۔ ان کے زور ڈھسے گئے۔ ان کی ناز برداری ختم ہو گئی۔ انکی کمریں شکستہ اور ان کے دل زہر میں ہیں۔ مگر ان کی فریادیں اونچی اور ان کی آہیں بلند ہیں۔ یہ بغیر نہیں۔ ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہیں۔ ان کی خوشی ہماری خوشی اور ان کا رنج ہمارا رنج ہے۔ میں تم سے اب بھی نہ کہتی۔ مگر کیا کروں۔ رات بھر کا ناس ہو رہا ہے۔ چپ رہتی ہوں تو بیتہ جلد اس کی عادتیں کا طبیعت اور خیالات راسخ ہو جائیں گے۔ دنیا جانتی ہے کہ اس کی ذمہ داری ہوں تاکہ میری کٹے گی خدا کے واسطے کچھ انتظام کرو۔ ابھی اصلاح پر آجائیگی اور اگر زیادہ غفلت کی تو ٹھنڈے لوسے پیٹنے سے درست نہ ہوں گے؟

بیوی کا خط پڑھتے ہی قسملیم کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔

دوسرے روز ہفتہ تھا۔ انوار کی اجازت لے کر آیا۔ اور بیوی کو دونوں بہنوں سمیت پھول لے گیا۔

(۱۰)

یہاں پہنچ کر نسیم دیکھتی ہے تو گھر کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ نوکر نے تو دھڑپ چاکر کھینچ کر لایا ہے۔ اتل تو حمام جس بیٹے کے ہاں سے آچا پت لاتا ہے۔ وہ بھی روز کے روز تیسرے دن ایک بار روپے کی لکڑیاں ختم ہو رہی ہیں۔ گھر کی حالت عجیب ہے۔ ایک میاں کو سونے کا نوٹری ہینگ تو خیر لپیٹ رہنے کے قابل ہے۔ باقی جو وہ جھلنگا۔ جینز کی بڑی بڑی چاندنیاں جو نسیم نے ساتھ کر دی تھیں۔ اُن پر سالن کے چکے۔ چوہوں نے کاٹ کاٹ کر نپائے ڈال دیے ہیں۔ غرض جہدہ آٹھ آٹھ کر دکھتی ہے ایک طوفان بے تیزی برپا ہے۔ میاں کے کچہری جاتے ہی اس نے میلے کپڑے پہن جو گھر میں جھاڑو دینی شروع کی تو ٹوکروں کیا چھکڑوں ہی کوڑا کال کوٹھرایاں اور دالان چندن کر دیا۔ اہل صاف شفاف بچھونا جو کیا تو دونوں دالان منہ سے بول اُٹھے۔ مشکوں پر سیروں کا جی جم رہی تھی اُن کو اٹھا کر سے مٹکے منگوا، اوپر سے قلعی دار کوڑے رکھے تو گھر کی شان ہی اور نکل آئی۔

باورچی خانہ کو دیکھتی ہو تو چوٹھے میں تو گنتی میں تین، مگر کسی کا بازو نہیں کسی کا اولاند ارد لگے ہاتھ ان کو بھی درست کیا اور میاں کو آنے سے پہلے گھر ٹھیک ٹھاک کر دہن بن بیٹھ گئی۔

قسیم کچہری سے آکر دیکھتا ہے تو اتنا بڑا گھر جو ہر وقت ڈھنڈار بنا رہتا تھا منہ سے بول رہا ہے۔ ہر چیز قرینے سے رکھی، سلیقہ سے سجی۔ کچھو نے اُصلے۔ برتن صاف ڈالا درست کرے ٹھیک صحیحیوں کی یا تو یہ کیفیت تھی کہ طاقوں میں کبوتروں کے انڈے لکپنچوں پر گلہری کا گوڑا یا بالکل کچک ہو گئیں۔ نوکر اول تو قدیمی پھر بڑھا۔ اور اس پر بڑہ کہ باپ کے ساتھ کا کھیل ہوا۔ اس کا یہ حال تھا کہ بہت بڑا کمال کیا تو اٹھی سیدھی جھاڑو کبھی بھولے بسے بہت مہربان ہوا تو دالان میں دے دیدی۔ وہ بھی جیسے تلی سنے پہنچے مارے کوڑا اٹھایا اور چوڑے پر ڈھیر کر دیا جس گھر میں آٹھ آٹھ دن جھاڑو نہ ملے وہاں چھلکوں کے انبار کوڑوں۔ ڈھیر خاک کے تو دونوں اور راکھ کے کچھو لوں کے سوا ہو کیا سکتا تھا۔ قسیم کچہری کو

سلیقہ دیکھنے کا آج پہلا اتفاق نہ تھا مگر اپنے گھر کے اس انقلاب میں ملنے کا اول موقع ضرور تھا۔ بیوی کو دیکھا تو وہ بھی نہائی دھوئی قلعی دار پٹاری آگے رکھتی، چھالیہ کتر رہی ہے۔ باغ باغ ہو گیا۔ نسیمہ ایک ماما اپنے ساتھ لائی تھی۔ قسسیم نے کپڑے اتارے۔ اس نے دوڑ کر کھنٹی پر ٹکائے۔ چھوٹی بہن لپک کر چار لائی۔ بڑی تھی تو مشیر مگر بھابھ کی تقریر نے چند ہی گھنٹوں میں پچا لیا۔ ادھر قسسیم چار سے فارغ ہوا۔ ادھر وہ پان لے کر پہنچي قسیم پان کھا کر پلنگ پر لیٹا۔ بیوی عصر کی نماز پڑھ باورچی خانہ میں پہنچی۔ ماما نے آٹا گوندھا بیوی نے سالن بگھارا۔ چار پانچ آدمیوں کا کھانا ہی کیا۔ مغرب سے پہلے سادہ اور ترکاری دار دونوں سالن تیار تھے۔

(۱۱)

قسسیم دن بھر کا تھکا ہارا۔ نیند کا رسیا۔ خراٹوں کا دھننہ کھانا کھاتے ہی آرام میں پہنچا نیند۔ دونوں نندوں کو پڑھانے بیٹھی۔ پڑھا چکی تو ان کو اپنے اپنے بچھونوں پر سلا کر خدا کے حصوں میں حاضر ہوئی اور رو رو کر دعائیں مانگیں گڑ گڑا گڑ گڑا کر انتحائیں کیں جہاں تک ہم کو معلوم ہوا ہے نسیمہ کی دعائیں ہمیشہ اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ نکلیں۔ جاڑوں کی جو دعائیں کے بعد نند کو یاد کرائی وہ یہ تھی۔

”معبود حقیقی! رات اپنا ایک حصہ طے کر چکی۔ اچھی اور بُری تیری بہت سی

مخلوق نرم گرم بچھونوں پر دن بھر کی تھکی ہاری تیری قدرت کے انتظام کو پورا کر رہی ہے“

✓ ”اے الٰہ العالمین! اس وقت تیری ادنیٰ کینزھا چورہ تیرے حصوں میں حاضر

ہوئی ہے سچے آقا اس وقت میرا دیکھنے والا تیری پاک ذات کے سوا کوئی نہیں۔

اے دیکھنے والے! سننے والے! قبول کرنے والے! مولا! ہمارے گناہوں کو معاف کر۔

احکم الحاکمین نامردوں کے مراد۔ بے اولادوں کے اولاد۔ بہنوں کو بھائی۔ قیدیوں کو رہائی، بیماروں کو صحت، حاجتمندوں کو حاجت، تونگروں کو سخاوت، مفلسوں کو عفت۔ اپنے ہوں یا غیر سب کی خیر۔ خالق بے نیاز گوشت کے لوٹھڑے کو جان دی۔ جان کو ایمان دیا۔ رب العالمین زبان کو تاثیر۔ دعا کو اثر دے۔ رائیڈوں پر رحم مٹیوں پر کرم مسکینوں کو عطا۔ بیماروں کو شفا۔ حاکم حقیقی دنیا کی بہاریں، عاقبت کی غویاں، دوست دشمن، عزیز و افار سب کو دے۔ اسے بادشاہوں کے بادشاہ! یہاں فلاح و ہیو دے۔ وہاں مقام محمود۔ سچے بادشاہ! دنیا نیند میں بے خبر ہوئی مگر تیرا دربار کھلا ہوا ہے۔ مجھ فقیر کی صدا خالی نہ پھیر۔ نیم کی دعا عرش عظیم تک پہنچا۔ خالق الموجودات قبر کے عذاب سے۔ حشر کے جواب سے۔ دوزخ کے قہر سے۔ پل صراط کے خوف سے، بچا۔ بچا۔ اے حافظ حقیقی بچا۔ مجھ کو بچا۔ میرے ماں باپ کو بچا۔ کل مسلمانوں کو بچا!

(۱۲)

نیمہ کو میاں کے ساتھ رہتے سال بھر سے زیادہ گزر گیا اور گو اس عرصہ میں اس کو وہ تمام باتیں حاصل ہو گئیں۔ جو شادی کے بعد ایک لڑکی کو ہونی چاہئیں۔ وہ اپنے گھر کی با اختیار ملکہ تھی۔ قسیحہ کی اتنی مجال نہ تھی کہ لمحہ بھر کو بھی بلا اجازت کہیں باہر جائے یا بیوی کے بغیر مشورے ایک پیسہ بھی خرچ کر سکے۔ مگر وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ مرد کا اعتبار نہیں۔ میاں نے ابھی آنکھ کھول کر دیکھا ہی کیا ہے۔ دوست نہیں، آشنا نہیں۔ لاکھ طبعیت صاف اور دل پاک ہے، مگر اب تو ملا کی دوڑ مسجد، کچری یا گھر۔ یہی دجگن ہیں اٹھ لیں، بیٹھ لیں، ہاں موقعوں سے پرہیز اور اتنا فوں سے گیز کریں جو جانوں کی محبت مستقل اور الفت پائیدار ہے۔ یہی ایک کھٹکا تھا جس کا دھڑکا اکثر نشیما کو لگا رہتا ورنہ اس کی زندگی کا یہ حصہ ایسا گزرا کہ خلا دنیا جہاں کی بیٹیوں کو نصیب کرے۔

✓ انسانیت کا سب سے بڑا جوہر ہمدردی جو نسیمہ اپنے ساتھ پھوپھی کی نظر سے جہیز میں لائی تھی بھول بھی آکر چپکا گو قسسیمہ نائب تحصیلدار مغز اہلکار اور معقول تنخواہ دار تھا مگر سو اچند چڑاسیوں یا عہدہ داروں کے کوئی یہ بھی نہ جانتا تھا کہ اس گھر میں رہتا کون ہے ہاں نکتے کے رات کو ایک آدمہ فقیر کے کاٹنے سے اتنا تو سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس گھر پر فقیر نہیں جاتا اور اسی نام سے یہ گھر محلہ میں مشہور ہو چکا تھا کہ نسیمہ نے گھر میں قدم رکھتے ہی محلہ کی جانچ پڑتال شروع کی کہ کیسے لوگ کس کس گھر میں رہتے ہیں۔ اول تو وہ محلہ ہی غیبوں کا تھا دے دے کر کوئی مکان تھا تو میاں قسسیمہ کا اور اگر خوش قسمتی سے دو ایک نمبر دار اور زمیندار تھے بھی تو اس سال کی طغیانی نے ان کی امیری پر پانی پھیر دیا جس گھر کو پچھتی ہے فقیر اور جس بیوی سے ملتی ہے مصیبت زدہ۔ کرکڑا تے جاڑے اور چلہ کی سردی میں ایک دو نہیں پندرہ میں گھر ایسے نکلے جہاں تن ڈھانکنے کو چیتھڑا تک نہ تھا۔ پھٹی ہوئی کئی سال کی ایک آدمہ رضائی اور میاں بیوی بچے اسی میں لپٹ کر پڑے اور رات ٹیر کر دی نیکل کیا ناگھن تھا کہ نسیمہ اس محلہ میں بے خبر رہتی یا باخبر ہو کر بے خبر ہو جاتی۔ اس نے پچاس لحاف تیار کر رکھے اور تقسیم کئے یہ ہی نہیں بلکہ دونوں وقت خود کھانا کھانے سے پہلے کئی گھروں میں کھانا بھیجتی۔ بہت سے بچوں کو اپنے ہاں بلا کر کھلاتی اور جب اس طرح خدا کی دی ہوئی نعمت کا ایک حصہ خدا کے بندوں پر خرچ کر دیتی تو خود کھانا کھاتی۔

بن باپ کے بچے اور بن ماؤں کی بچیاں جن کے سر پر سوا خدا کی ذات کے کوئی والی وارث نہ تھا اور جن کو دو وقت بھی روٹی میر نہ ہوتی تھی، قسسیمہ کے کچری جاتے ہی اس کے پاس پہنچ جاتے اور پیٹ بھر لیتے۔

صوبہ دار احمد علی خاں کی بڑی بیٹی شاید پچاس توہم پر رہتی ہوں گی۔ اس بد نصیب کے سر سے ماں اور باپ۔ شوہر اور صیغہ سب کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ دوڑکیاں

چھوٹی اور ایک آٹھ برس کا لڑکے کرانڈ ہوئی تھی۔ پانچ چار مہینے جو اناٹہ موجود تھا وہ کھایا جب رزق کے لالے پڑے تو لڑکے کو قسیمہ کے سپرد کیا یہ لڑکا ظالمیوں میں بھرتا اور پیٹ پالتا۔ نسیمہ اس وقت ایک بچہ کی ماں تھی جس روز چلہ نہائی ہے اس روز کی دھوم دھام خاصی اچھی شادی سے کم نہ تھی۔ تمام عزیز و اقارب جمع ہوئے انواع اقسام کے کھانے پکارتے اور رنگا رنگ کے طائفے رقص و سرود میں مصروف تھے قسیمہ نے حقہ کے واسطے ظہیر کو آواز دی۔ بچہ آٹھ برس کی جان بسا ہی کیا۔ صبح سے بھوکا تھا۔ ماں کے پاس روتا ہوا چلا گیا۔ مگر وہاں بھی اللہ کا نام تھا۔ انو پونچھ چلا تو قسیمہ نے اس کی بغیر حاضری کو سخت قصور سمجھ کر پانچ بیتیں نہایت زور سے ماریں معصوم رو دھوپٹ پٹا حقہ بھرا ایک کوٹنے میں بیٹھا اپنے باپ کو یاد کر کے رونے لگا۔ قسیمہ نے پان منگوائے۔ کوٹھری میں گھستا تھا کہ چوکھٹ کی ٹھوکہ لگی، اوندھے منہ گرا کتھے کا بھرا ہوا پیالہ پیے سے گرا پڑا تھا۔ مگر رابعہ کم بخت نے جھٹ اس کا نام لے دیا۔ نسیمہ اٹھ کر دیکھتی ہے تو تمام چاندنی نکت پت لاکھ رحم دل تھی مگر کچھ ایسا غصہ آیا کہ ظہیر کا کان پڑ کر چار پانچ تھپڑ دو ایک گھونسنے رسید کئے۔ لڑکا اپنی بے گناہی کے متعلق ہر چند کوشش کرتا رہا مگر نسیمہ کو مطلقاً یقین نہ آیا۔

ظہیر کی ماں کیسی ہی مصیبت ماری کیوں نہ ہو مگر اصل نسل سیدانی اور انقلاب کی پوری تصویر تھی۔ نسیمہ کے آنے پر بھی اس نے مصیبتیں بھگتیں۔ ساری ساری رات بچوں کے سر میں اڑ کر کھیل کا دانہ نہ گیا۔ مگر نسیمہ کے آگے ہاتھ نہ پھیلا یا۔ مکان کا کرایہ بیلین روپے پڑھ گئے تھے۔ مالک مکان خرقی لے آیا۔ سیدانی ایک سپید چادر ڈھکے گھر سے باہر نکلی اور قسیمہ سے کہا ”میرے گھر میں کچھ نہیں ہے باپ دادا کی لالچ کو لئے بیٹھی ہوں۔ میں خود تختہ رے حقہ بھرنے والے لڑکے کی ماں ہوں۔ مگر ایک بڑے باپ کی بیٹی اور اہ اس تحصیلہ رشوہر کی بدنام کرنے والی بیوہ ہوں جس کے جانتے اور دیکھنے والے

ابھی اس محلہ میں موجود ہیں! قرتی ہوئی تو ہماری آبر و خاک میں مل جائے گی یہ میرے پاس انگوٹھی میرے شوہر کی امانت ہے یا اس کی جنت کی نشانی ہیں نے سخت سے سخت مصیبت میں بھی اس کو جدا نہ کیا۔ تحصیلدار صاحب! فاقوں نے میرے ہوش بگاڑ دیے۔ یہ جہاد کی سردی اور ٹھنڈی برف راتیں گوڈروں میں بیٹھ بیٹھ کر صبح کی ہیں مگر امانت کو کلیجہ سے لگا رکھا ہے۔ آپ مسلمان ہیں اتنا کرم کیجئے کہ اس مکان دار کا قرضہ ادا ہو سکے تو رشتہ مجھے اس مصیبت سے چھٹکا را دو ایسے۔“

سیدانی اتنا کہہ کر انگوٹھی دے روتی ہوئی اپنے گھر آئی اور دونوں میاں بیوی نے اس انگوٹھے کو دیکھا تو پاسبے کے سونے میں بیش قیمت ہیرا جگہگا رہا تھا۔ جوہری کو بھیجا اس نے چار سو روپیے تخمینہ کیا۔ قسیدہ نے کرایہ دے انگوٹھی بیوی کو پہنا دی۔ رات کو کھانا دیتے دلاتے، نسیم کو گیارہ بج گئے۔ ظہیر پر بھی کام کاج میں مصروف رہا۔ خدا معلوم دن کی تکان بھٹی یا غصہ، بھول گئی یا ارادہ، مگر آج نسیم نے ظہیر کو کھانا نہ دیا۔ اور پلنگ پر جا بیٹی ظہیر بھوکا تو کل شام سے تھا۔ آج متوازن چھپر کا فاقہ اور کام کی کثرت بالکل ہی نڈھال ہو گیا۔ اوپر دیکھا تو آسمان دن بھر کے چھوٹے ہوئے تاروں کو گود میں لئے کھڑا تھا۔ باپ کی شفقت بھری گود یا د آئی اور فاقہ زدہ نسیم نسیم کی چوکی کے پاس زمین پر پڑ کر سو رہا۔

نسیم پلنگ پر لیٹی تو بجلی کا لمپ و سٹر دھڑل رہا تھا اور انگوٹھی کے ہیرے کی جوت پڑی تھی سیدانی کی فقر پر کا خیال آیا تو انقلاب کی خوفناک نقییر آنکھ کے سامنے بھٹی۔ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو دیکھتی کیا ہو کہ باپ سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے۔ ”بیٹی! دنیا کے فانی جلوؤں پر پھول کر خدا کو بالکل بھول گئیں! نسیم غور کرو اور سوچو یہ انگوٹھی جس پر تم نازاں ہو۔ تم کو بہت بڑا سبق دے رہی ہے بیٹی! جس چیز نے اپنے مالک سے وفائے کی دُشمنی کیا کرے گی۔ سیدانی کا اقبال تم سے بہت زیادہ

تھا۔ مگر آج زمانہ کی رفتار نے خاک میں ملا دیا۔ نسیم کس برے پرہیزگنت اور کس بھروسہ پر
 یہ غور مصیبت کی ماری پہن نے تھا رے آگے ہاتھ بھیلایا۔ اور تھا رے در سے
 خالی گئی۔ تم نے اس سے وہ چیز لی جو اس کے عمر بھر کے رفیق کی یادگار تھی اور آج اٹھارہ
 مہینے بعد اس سے انگوٹھی جدا کر دی۔ کیوں نسیم کیا دنیا تم سے آنکھیں نہ پھیرے گی۔
 آہ! نسیم! میری روح کانپ گئی، جب بے گناہ معصوم پر تھاری چوٹ پڑی ہے، کیوں
 نسیم! نو من بریانی میں ایک چاول نقدیر کا نہ ہو تو سیدانی کے میٹم اور اس میٹم کا جو تہا ہی
 دہلیز میں دن بھر تھرا کام کرنے کے بعد چھ وقت کے فاقے سے پڑا ہے؟ نسیم! بیگم!
 دنیا قاتی ہے اور موت آئی۔ حساب برحق اور وعدہ حشر سچا۔ درود خدا سے اور ایسے
 ظلم نہ کرو کہ ہماری رو میں لرز اٹھیں۔“

(۱۳)

نسیم صبحی طبیعت کی عورت جو ظلم تو بڑی چیز ہے درائی کسی کی سختی بھی سن لے تو
 کانپ جائے۔ خواب میں باپ کی صورت دیکھتے ہی تھرا اٹھی۔ اس پر غصہ اور غصہ میں
 اتنے بڑے راز کا افشا!

چاہتی تھی کہ طرح باپ کے قدموں پر گر کر قصور معاف کرائے اور
 آئندہ کو توبہ کرے۔ مگر وہاں کیا رکھا تھا۔ آنکھ کھلی تو وہی ہیرے کی جوت اور لیمپ کی
 دھڑ دھڑ و صو کیا۔ نماز پڑھی دیر تک سجدے میں پڑی روتی رہی۔ اُنٹھی ظہیر کو کلچے
 سے دگایا۔ کھانا کھلایا۔ علی الصباح اس کی ماں کے پاس پہنچی۔ انگوٹھی واپس کی اور یہ
 معمول کر لیا کہ جب تک ظہیر کی ماں اور اس کے بچوں کو کھانا نہ کھلا لیتی خود کھانا کھا کر
 شوہر کی طرف سے کچھ اطمینان ہونے کے بعد اب نسیم کو سب سے بڑا فکر
 دو نندوں کا تھا، جو گھنٹوں اور گھنٹوں کہیں سے کہیں پہنچ رہی تھیں۔ بلکہ رابحہ تو
 شاید بھابھو ج سے ایک مٹھی آگے ہی نکل گئی تھی۔ عمر کی زیادہ۔ مزاج کی تیز تہی کی دلیر

دیدے کی دلیل۔ اس کا راہِ راست پر لانا ہنسی کھیل نہ تھا۔ مگر خدا معلوم نسیمہ کی زبان میں کیا جادو اور تقریر میں کیا اثر تھا کہ جہاں اس نے کلام کیا اور آدمی رام ہوا۔ وہ خوب سمجھ گئی تھی کہ رابعہ غصہ اور خفگی سے بس میں آئی والی نہیں۔ لاکھ عادتیں بگڑ چکی ہیں مگر پھر لڑکی ہے اور وہ بھی نا تجربہ کار۔ ابھی کچی لکڑی اور تھوڑی سی محنت کی محتاج ہے۔ منت کی خوشامد کی بہلایا، پھسلا یا۔ غرض جس طرح ہوا راستہ پر لائی۔ وہی رابعہ جو کچھ محفل کر بھی نماز کا نام نہ لیتی تھی ایک تین ہی جینے میں ایسی نماز نہ ہو گئی کہ نسیمہ سے پہلے اٹھتی اور مؤذن کی اذان کے ساتھ نماز پڑھتی۔ بایہ حال تھا کہ لکھنے سے بیزار۔ کتاب سے نفرت یا یہ کیفیت ہوئی کہ نسیمہ پڑھاتے پڑھاتے اگتا جاتی اور وہ بھیچا نہ چھوڑتی۔ ایک دن کسی کتاب کی کتاب میں اس نے دیکھا کہ بھونچال کی کیفیت اس طرح لکھی تھی کہ زمین ایک گائے کے سر پر اور سر پر بھی نہیں سینگ پر دھری ہے جب وہ گائے تھک جاتی ہے اور دوسرا سینگ بدلنا چاہتی ہے تو ایک پھریری لے کر سارا بوجھ دوسرے سینگ پر لیتی ہے جس سے یہ بھونچال پیدا ہوتا ہے۔ رابعہ نہایت توجہ اور بلند آواز سے پڑھ رہی تھی۔ نسیمہ باورچی خانے میں تھی۔ مارے ہنسی کے لوٹ گئی۔ ضبط نہ ہوا تو باہر آئی اور منہ سے پوچھا۔ ”یہ کون سی کتاب ہے۔ کیا نام ہے؟“

رابعہ: ”اسرا قدرت ہے۔“

نسیمہ: ”کس عقلمند کی لکھی ہوئی ہے۔“

رابعہ: ”کوئی مولوی عبد العلی ہیں؟“

نسیمہ: ”میں دیکھوں۔“

رابعہ: ”لیجئے۔“

نسیمہ نے رابعہ سے۔ ”دوسرے کچے لٹے میں جھونک دی اور کہا۔

”ایسی بھول کتاب آئندہ کبھی نہ پڑھنا۔ میں اس روز تم سے اس کتاب کو چھوڑاؤ۔“

ہوں۔ جو مسان کے متعلق تھی۔ یہ حضرت اُن سے بھی بڑھ گئے۔ بھلا تمھاری بھی عقل ہے کہ تمام زمین ایک گائے کے سینگ پر رکھتی ہوئی ہے؟ بوا تمام باتیں جاہلوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ لوگوں نے مولوی بن کر ان فضول باتوں پر مذہب کا رنگ اس لئے چڑھا دیا ہے کہ سچے بھی ان جھوٹوں کے آگے روئیں۔ لو بھونچال کی کیفیت مجھ سے سنو! تم نے اپنی عمر میں بہت سے پہاڑ دیکھے ہوں گے۔ جب ہم بمبئی سے آ رہے تھے تو رستے میں دو رنگ تم کو یاد ہو گا کہ یہ سلسلہ ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ اسی قسم کے پہاڑ بعض وہ بھی ہوتے ہیں جن کو کوہ آتش فشاں کہتے ہیں۔ ان میں گرم مادہ ہوتا ہے اور وہ گرم مادہ پگھلا کر تپا ہے۔ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ پتھروں کے رگڑنے سے بعض دفعہ آگ کا چمکا پیدا ہوتا ہے۔ دو رکیوں جاؤ بار بار دیکھا ہو گا کہ گھوڑے کے نعل سے جب وہ زمین سے رگڑتا ہے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اگلے زمانہ میں جب دیا سلائی وغیرہ کا رواج نہ تھا لوگ چھماقی پتھر سے آگ نکالتے تھے۔ لودھاں وہ آگ کا مادہ جو ان پہاڑوں میں پیدا ہوتا ہے بڑھتے بڑھتے اتنا ہو جاتا ہے کہ تمام پہاڑ بھٹتا ہے۔ یا اس مادہ میں جوش آتا ہے تو ہزاروں کوس دور اس کے پتھر جا کر پڑتے ہیں اس کی کیفیت بالکل ایسی ہی جیسے تمھاری پٹیلی میں اُبال آجائے اصل میں اس سے اثر سے جو صدمہ زمین پر پہنچتا ہے اسی حرکت کو زلزلہ کہتے ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ بھونچال ایک وقت میں تمام دنیا پر آئے۔ ہاں جس قدر قریب ملک ایسے پہاڑ کے ہوتے ہیں اس کا اثر ہوتا ہے۔ اٹلی میں اس قسم کے پہاڑ بہت زیادہ ہیں۔ وہاں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ تو دفعہ ایسا پہاڑ اڑا کہ ہزاروں آدمی مر گئے۔ جس طرح چڑیاں آسمان پر اڑتی ہیں اسی طرح چاروں طرف پتھر اڑا کر خلق خدا پر برس رہے تھے۔ بوا خدا سب کو ایسے وقت بچائے۔ اب تو تم سمجھ گئی ہو گی کہ بھونچال کیا چیز ہے۔ کہو تمھاری کتاب حق جلد دینے کو قابل یا نہیں؟ لاؤ اب تم کو اس روز کا مسان کا معاملہ بھی بتا دوں کہ کیا ہے۔ اور جاہل

عورتوں نے اس کو کیا سمجھ رکھا ہے۔

ایسی عورتیں بہت کم ہوں گی جن کے بچے ٹوٹنے ٹوٹنے یا گندے لغویوں سے بچے ہوں۔ عام طور پر بچوں کی موت کا سبب مسان سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہایت ہی مہمل خیال ہے کہ مسان بچوں پر عاشق ہے، وہ بچوں کو لے جاتا ہے۔ اگر کسی عورت کے ہاں متواتر دو ایک بچے مر گئے تو ایک دو کو نہیں تمام کہنے کو اس کے مرض مسان ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ لغو بالئہ مسلمان ہو کر ایسا خیال کرنا کیسی شرم کی بات ہے۔ اسی قسم کا ایک مرض عورتوں کو ہسٹریا ہونے ہے جس پر بھوت آسیب کا گمان ہونے لگتا ہے حالانکہ یہ بھی بہت ہی جاہلانہ حرکت ہے۔ ہسٹریا کے متعلق میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ایک انگریز کی لڑکی اسی مرض میں گرفتار ہوئی اور حالت مرض میں جب وہ بیہوش تھی اس نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا! بمصلا خیال کرو ولایت میں انگریز کی لڑکی کا حکم کھلا قرآن پڑھنا کیسے تعجب کی بات تھی۔ ہمارے ہاں تو جن کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ اور شاید بعض آدمی تو اس کو کرامت سمجھ لیتے۔ مگر ڈاکٹروں نے جب خوب تحقیقات کی تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ لڑکی کا باپ مصر میں فوج کا کرنل تھا۔ اس وقت اس بچی کی عمر چار برس کی تھی اور صبح ہی خانہ ماں کے ہاں کھیلنے چلی جایا کرتی تھی۔ وہ اس وقت قرآن شریف پڑھتا تھا اور یہ کھنڈہ دو کھنڈہ میں کھلتی رہا کرتی۔ وہی الفاظ اس کے دماغ میں بیٹھ ہوئے تھے۔ جواب بیہوشی کی حالت میں حافظ نے دماغ سے لے کر زبان سے ادا کر دیا ہے۔ یہی کیفیت مسان کی ہے کہ جہاں بچہ بیمار ہوا اور پیر جی کی سوچھی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آدھ سفید مرغ، دو ایک بکرے، کچھ نقد، ان کی نذر کرنا پڑا۔ میرے رشتہ میں ایک چچی ہیں ان سے زیادہ بد نصیب عورت بھی مشکل سے ہوگی۔ چھ بچے تھے چھ سات سات برس کے ایک ہی مرض میں ایک ہی موسم میں ان کی گودیں خالی کر گئے بچا رٹی نے

ہزاروں گندے تعویذ کئے مگر خاک فائدہ نہ ہوا، ان کی بابت مجھے تو یاد نہیں کہ کسی نے بھی مسان چھوڑا ہو۔ یہ محض غلط تھا۔ اتفاق سے لیڈی رے آگئیں۔ انھوں نے کہا میں علاج کروں گی۔ بچہ پیدا ہوا۔ انھوں نے ماں کا دودھ دیا۔ بازار کے دودھ سے پرورش ہوئی اب اللہ رکھے کئی بچوں کی ماں ہیں۔ نہ وہ مسان رہا نہ جن بھوت رہا۔ ایک نام تم نے "مرت بیامی" سنا ہوگا۔ یہ اُس کبخت بچہ کو کہتے ہیں جس کے اوپر چار پانچ مرچے ہوں۔ گویا اس کی ضد صرف اس لئے ہوتی ہے کہ پوری نہ ہو۔ تو لوٹنا ہوا مر جائے اس لئے اس کی نافر برداری زیادہ کی جاتی ہے۔

یہ قونی کے علاوہ اس قسم کا عقیدہ کیسا زبردست شرک ہے گویا ایسے بچے کو بچانے کی خدا میں کوئی قدرت نہیں۔ اس کا مارنے اور جلانے والا صرف مسان ہے۔ حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ شرک کیسی بُری چیز ہے اور کیسا کبیرہ گناہ ہے مگر اس ماننا کے کارن یہ بیوقوف مائیں سب کچھ کرتی ہیں۔ چوراہے پر کلبجیاں اور سریاں تک رکھ کر مشرک بن جاتی ہیں یا درگھو کہ ہر بیماری خود انسان کے اپنے جسم سے پیدا ہوتی ہے۔ بچہ ہو یا بڑھا۔ ہاں بچہ کو وہ مرض جس کو مغلی ڈکھ یا پسلی کا خنل کہتے ہیں اعضا ضعیف ہونے کی وجہ سے بٹیک ہوتا ہے۔ لیکن اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ دورہ کے وقت لال کے خون کے چند قطرے حلق میں ٹپکا دیں اور جہاں تک ممکن ہو قبض نہ ہونے دیں۔ لو اب تمھارا بھونچال اور مسان سب طے ہو گیا۔

(۱۴)

دن کے وقت دونوں لڑکیوں نے باتیں سنیں۔ رات کو سوئیں تو سوتے سوتے جن بھوت کا خیال دماغ میں چکراتا رہا۔ دنیہ کا قاعدہ تھا دونوں بچیاں جب جاتی تو اچھی طرح ان کو دیکھ کر لحاف اڑھا کر خود سوتے جاتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی کتاب لے کر بیٹھ گئی۔ آج بھی وہ لیٹی ہوئی کچھ پڑھ رہی تھی۔ پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی

تو راجہ نے سوتے سوتے کراہنا شروع کیا اور اس زور سے کہ برابر میں ہاجرہ بھی اس کی آنکھ کھل گئی۔ ڈرتے ڈرتے اٹھی اور بھاؤ و جھجکاؤ کو آکر بھجایا کہ ”بھابی جان خدا کے لئے ذرا اٹھئے تو سہی۔ دیکھئے بھاپری آپا جان کیسی بُری طرح خواب میں ڈر رہی ہیں۔ گنگلی بندھ گئی، نسیم اٹھی اگر دیکھا۔ کروٹ بدلوائی، جگایا۔ تو سلا بعد کا بدن عطر خنکاپ رہا تھا۔ اٹھی تو سہی مگر ایسی خوف زدہ کہ زبان سے کہتی کچھ بھی منہ سے نکلتا کچھ تھا نسیم نے بانی پلایا اور تسکین دی تو کہنے لگی ”اچھی بھابی جان اب تو اپنے پاس سلائیے اور صبح ہی اس گھر کو چھوڑ دیجئے۔ اس میں کچھ ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے صبح کہوں گی۔ اس وقت تو چاہے کاٹ ڈالئے میری زبان بہرگز نہ اُٹھے گی۔ خدا کے واسطے صبح ہی دوسرے گھر میں چلئے۔“

راجہ کے اس اصرار پر نسیم مسکرائی اور کہا۔

”اچھا میں تمہارے ساتھ سوؤں گی اور کل ہی گھر بھی بدل دوں گی۔ تو تمہاری اور بیوہ اور بیاں کھاؤ۔ تمہاری طبیعت درست ہو جائے؟“
آدمہ گھٹنے کے قریب جب اس معاملہ کو گذر گیا تو راجہ نے کہا۔

”دیکھنا بھابی جان میں نے ایسا بُرا خواب دیکھا کہ کہوں۔ ایک آدمی لمبا ترنگا کالا سنڈڑا۔ بڑے بڑے دانت لمبے لمبے پاؤں آکر مجھ پر چڑھ بیٹھا بہتیرا ہی دھکے دیتی ہوں ہٹاتی ہوں مگر وہ ہے کہ ہٹنے کا نام نہیں لیتا اور وہ تو خدا نے خیر کی کہ آپ نے مجھ کو بچا لیا۔ نہیں تو اس نے میرے کھانے کو منہ بھاڑ ہی دیا تھا۔ کیا دانت بناؤں اُس کے، شیر کے بھی ایسے نہ ہوں گے۔ مجھ کو تو بھابی جان اس وقت اللہ ہی نے بچایا۔“
ہاجرہ۔ ”ہاں بھابی جان خدا کے لئے اس مکان کو چھوڑیے میں بھی کئی مرتبہ ایسے ہی خواب دیکھ چکی ہوں۔ ایک دفعہ تو میرا بھی یہ حال ہوا کہ ڈر کے مارے ساری رات نیند نہ آئی میں نے تو ایک جیٹی دیکھا تھا۔ اب بھی کبھی خیال آتا ہے تو

کانپ جاتی ہوں ظہیر کہتا تھا کہ اس کمرے میں سید کی قبر تھی سرکار نے ٹر وادی۔
نہیں تو یہاں جمعرات کے جمعرات رات بھر گانا ہوتا تھا اور صبح کو کوئی بھی نہیں دکھائی
دیتا تھا۔

والعمرہ وہ جو مغلائی حصہ لے کر آئی تھی۔ اُس نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ یہاں
سید صاحب کا مزار ہے۔ کوئی بے ادبی نہ کر بیٹھنا۔ نہیں عمر بھر کو ایندھ ہو جاوے گی۔

نیسیمہ۔ واری دیوانی لڑکیو! اری نیک بختو! یہ تو بتاؤ کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے
آج تک کتنے آدمی پیدا ہوئے اور مرے۔ یہ بے تعداد جم کہیں نہ کہیں ضرور بے یا بلے
ہوں گے۔ آخر کتنا ریزی زمین جو اس قدر بڑی ہے کہاں تک ان آدمیوں کو کافی ہو سکتی ہے
اور کونسی ایسی جگہ ہوگی جہاں کوئی روح نہ نکلی ہو یا کوئی جسم جلایا دبا نہ ہو کہیں پیدا
ہوئی، کہیں جلی کہیں دینی۔ پھر جب ہر جگہ اس کا ظہور ہے تو اگر یہاں قبر تھی تو کیا مضائقہ تھا
تم دیکھتی نہیں ہوزیل میں لاکھوں کر دڑوں قبریں آئیں اور سہارہ ہو گئیں۔ اگر وہ جسم کچھ تھے
تو ان کی چھاتی پر ریل گاڑی کروڑوں من کا بوجھ لے کر گزر جاتی ہے اور اس کا کچھ نہیں
بگڑتا یا بڑوں اور کوروں کی لڑائی میں کھٹا فلپس کے میدان میں خون کے ناے بہہ گئے
کتنی روئیں وہاں نکلیں مگر اب کیا دھرا ہے۔ بیٹو! ایسی جگہ تو تم کو تمام روئے زمین پر
مشکل سے ملے گی۔ جہاں کوئی قبر وغیرہ نہ ہو۔ پھر یہ وہم تمہارے دل میں کیوں پیدا ہوا
بات درحقیقت یہ ہے کہ جو باتیں تمہارے سامنے ہوتی ہیں۔ جو وہم تمہارے دل میں آتے
ہیں، جو خیال تمہارے پاس ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ دماغ میں چکر کر خواب کی صورت
اختیار کر لیتے ہیں۔ تم خواب میں مبالغہ تو دیکھ سکتی ہو مگر ایسی چیز نظر نہیں آتی جو تم
نے کبھی نہ دیکھی ہو یا تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکے۔ اس لئے خواب کو یقین سمجھنا بڑی
غلطی ہے۔ البتہ وہ خدا کے پتے بندے جن کو خواب میں بشارتیں ہوئیں جن کے خواب برحق
ہوتے تھے ان کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن ہم جیسے گنہگار کیا اور ہمارے خواب کیا۔ یہ تمام اف

قلب کا نتیجہ ہوتا ہے جس وقت سونے میں دل دب جاتا ہے اور اس کی حرکت پر برائے اثر پڑنے لگتا ہے۔ تو ایسی وحشت ناک صورتیں اور خواب دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ ہا جبرہ بیگم! تم نے دیکھا نہیں تھا کہ سب سے پہلے میں نے سرا جہ کا ہاتھ دل پر سے اٹھایا تھا۔ ہاتھ اٹھاتے ہی انھیں جتنا بوجھ معلوم ہوتا تھا اور جس میں دبی ہوئی تھیں الگ ہو گیا۔ کروٹ دلو اتنے ہی اٹھ بیٹھیں۔ کیسا جن اور کس کا ڈر مکان بچا کر سے ان باتوں سے کیا واسطہ۔ انسان سے بڑی طاقت بھی کوئی دنیا میں ہے جس نے ہاتھی اور شیروں تک کو قبضوں میں کر لیا چلتے دریا روک دیئے۔ دریاؤں کا رخ بدلایا۔ بڑے بڑے پہاڑ جو زمین کے سینے پر پاؤں گاڑے کھڑے تھے ڈھکا دیئے۔ آوازیں پیدا کیں۔ ہوا کو قبضہ میں کیا آسمان پر اڑا۔ تمھارے گریپو فون۔ ہوائی جہاز اس کا ثبوت موجود ہیں۔ پھر بتاؤ انسان سے زیادہ اور طاقتور شے کیا ہے۔ صرف عقل کا پھیر ہے اور کچھ نہیں۔ انسان کے پاس عقل ایک ایسی طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تم ٹپٹھی لکھی ہو کر ان وہموں میں پھنس گئیں۔ واہ واہ بچپن سے تمھاری طبیعتیں ڈرپوک تمھارے دل بودے بنائے گئے تھے۔ اس لئے تم ڈرتی ہو۔ ورنہ انگریزوں کے بچوں کو کیا شام کے وقت باغوں میں اور جنگلوں میں درختوں کے نیچے اور دریاؤں کے اوپر نہیں دیکھا ان کو کوئی چیز نہیں ستاتی نہ نظر ہوتی ہو نہ سایہ پھر دیکھو کیسی کیم کے تے ہیں؟

(۱۵)

”ہمارے ہاں بی شادی اور ہوا ایسی ظالم چیزیں ہیں کہ بیوقوف لڑکیاں محض اپنے آرام کی خاطر کہ کسی طرح بچہ سو جائے شروع ہی سے اس کو ڈرپوک بنا دیتی ہیں۔ اسی قسم کی ایک چیز افیون بھی ہے جو صرف اس لئے دی جاتی ہے کہ بچہ نین ہو کر پڑ جائے اور ماں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ حالانکہ یہ بچے بڑے ہو کر افیم کے اثر سے مست اور کاہل ہو جاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ افیم میسر نہیں ہوتی تو بیمار پڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک ہوا ہے

کہ افیم کی ڈینہاں نے لاپرواہی سے رکھدی اور بچہ نے اٹھالی کھل گئی اور اس نے افیم کا اٹمانہ میں رکھ لیا۔ ماں کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ اور بچہ سو یا تو ایسا سو یا کہ پھر اٹھنے کا نام ہی نہ لیا۔ تم کو بھی دنیا میں مائیں بننا ہے۔ اس لئے میں تم کو یہ باتیں سمجھاتی ہوں کہ بچوں کی پرورش اور تربیت علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ تربیت بچائے خود ایک شکل کا کام ہے لیکن پرورش بھی اس سے کم مشکل نہیں ہے۔ بہت سی مائیں صرف پرورش میں غلطیاں کرنے سے بچوں کو ملک عدم میں پہنچا دیتی ہیں۔ عام طور پر لڑکی سمجھتی ہے کہ اس کا بچہ جب رویا وہ بھوکا ہے اور دودھ کے واسطے روتا ہے۔ لیکن بات یہ نہیں ہے۔ وہ اکثر کئی تکلیف کی وجہ سے بھی روتا ہے۔ مگر نتیجہ الٹا نکلتا ہے۔ فرض کرو کہ اس کے پیٹ میں درد ہے۔ وہ پاؤں سکیرٹ رہا ہے جو درد کی اہلی پہچان ہے۔ مگر اس نے دودھ ٹھونس دیا۔ حالانکہ خرابی دودھ کی تھی۔ درد بڑھ گیا۔ بچہ میں اتنی طاقت تو ہوتی نہیں کہ وہ اپنی تکلیف کا اظہار کر سکے۔ لیکن جہاں تک اس کی بساط ہوتی ہے وہ کرتا ہے۔ یاد رکھو اگر اندرونی تکلیف ہے تو ضرور تھپتھپانا ہاتھ آدھر لے جائے گا۔ خواہ وہاں تک نہ پہنچ سکے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جسم کے اس حصہ میں تکلیف ہے نہ یہ کہ بچے کے منہ میں روستہ ہی دودھ دے دیا اور سلانے کی کوشش کی۔

لڑکیوں کو جب ان کے بچے ذرا بھی ہاتھ بڑھانے کے قابل یا کوئی چیز اٹھا کر منہ میں رکھنے کے لائق ہو جائیں۔ اس بات کی سخت احتیاط کرنی چاہئے کہ ان کے سامنے کوئی خطرناک چیز نہ آئے۔ میری رشتہ کی خالہ تھیں ان کے ہاں کئی بچے جا کر ایک بچہ بچا کیسا پیارا بچہ کہ غیر کو بھی پیارا آئے۔ خدا خدا کر کے نو دس مہینے کا ہوا۔ اماں باوا سب پر واندہ تھے۔ ہونے سنہنی۔ رو پیہ بھنا پیسے ڈھکنے میں ڈال کسی کام کو چلی گئیں۔ بچہ کھیل رہا تھا پیسہ اٹھا منہ میں۔ پیسہ گول حلق میں جا کر اٹکا۔ لڑکا بتیاب ہو گیا۔ نکالنے کی ہر چیز کوشش کی مگر نہ نکلا۔ فوراً ہسپتال لے گئے وہاں بھی نہ گل سکا تو انھوں نے چر بھاڑ

کی نگرانی نہ ہوئی۔ پیسہ پیٹیں چلا گیا سولہ سترہ روز کے بعد ہسپتال پارنگ لایا۔
 لاکھوں ہی جتن کر ڈالے مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ خاصاً اس میں کپڑا پلا یا بچہ صرف ماں کی ایک
 ذرا سی غلطی سے موت کی نذر ہوا۔ نگوڑے مونگ پھلی کے چھلکے کی بھی کوئی اصلیت ہوتی
 ہے۔ ایک جگہ اسی نے امک کر ایسا فتور مچایا کہ اس بچہ کی بھی ماں کے ہاتھوں جان
 ضائع ہوئی تو بیوی بچہ ہار کر کھو کہ یہ بے زبان معصوم قدرت نے جو تھارے سپرد کئے
 کئے ہیں ان کی پرورش جہاں مختار فرض ہے وہاں یہ قدرت کی امانت بھی ہیں اور
 ان کی موت کی تم ذمہ دار بھی ہوگی۔ بچہ کی موت کے یہ معنی نہیں کہ ماں نے رو دھوکہ
 صبر کر لیا۔ بلکہ اس کی پرورش میں اگر غلطی ہوئی جس کا نتیجہ خواہ موت ہے۔ یا اس کے
 عادات و اطوار کا بگڑ جانا تو اس کی ذمہ دار ماں ہے اور صرف ذمہ داری فرض نہیں،
 بلکہ اُس کو اس کا خدا کے ہاں جواب دینا ہے تو سمجھ لو کہ بچہ کا پیدا ہونا گریہ کا کھیل
 نہیں ہے بلکہ ماں پر ایسی ذمہ داری اگر پڑی کہ ذرہ بھر غفلت میں دین و دنیا دونوں
 برباد ہوں گے۔ اُس کی صحت کا درست رکھنا اس کی عادتوں کا اچھا ہونا۔ یہ صرف
 ماں کا کام ہے اور اس کو بتانا ہے کہ اُس نے اگر خدا کی ایک مخلوق ہونے کی حیثیت
 سے قدرت کے انتظام کو پورا کیا اس کی وجہ سے نسل انسانی بڑھے، تو ایک ماں جو نے
 کی حیثیت سے اُس نے اس کو کس طرح پالا۔ اور کس طرح اٹھایا۔

میری بچیو! ان باتوں کو کان میں ڈال رکھو نہ معلوم اس وقت جب تم مائیں
 بننے کے قابل ہو۔ میں یوں یا نہ ہوں۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ یہ باتیں تمھارے کان میں پڑیں۔

(۱۶)

سینہ کو پلوں میں رہتے سال بھر سے زیادہ ہو گیا۔ بچہ بھی ماشاء اللہ گھٹنیوں چلنے

لگا تھا دونوں چھو پیاں اور قیسری ماں اس ننھے سے فیتے پر نثار تھے۔ اور سچ یہ ہے
 کہ وہ جان ہار باتیں ایسی غضب کی ڈھاتا تھا کہ سب اس کے دیوانے تھے تقسیم

کہنے کو سرکاری کاموں میں زیادہ الجھا رہتا تھا مگر کیفیت یہ تھی کہ ذرا سی فرصت ہوئی اور گود میں لیا شام کو روزانہ خود دیکر سیر کو جانا۔ دوست آشنا ہنسی بھی اڑاتے، مگر اس کی فریفتگی میں فرق نہ آتا بچہ کی حالت یہ تھی کہ جہاں شام ہوئی اور وہاں بچے اور وہ کھسکتا کھسکتا چوکھٹ میں جا بیٹھا اور لگا آتا آتا، کہہ کر آویں دینے۔ باپ نے کپڑے اتارے اور اس نے ہوا خوری کی مہر دستانی جوئی اٹھا کر آگے پھینک دی۔ نسیم گھر بھر کا کھلنا تھا کہ کہ اتنی سی جان پر سب کی جانیں لڑی ہوئی تھیں جوں جوں اس کی عمر میں ترقی ہوتی تھی ماں اور باپ دونوں کا خون اس کو دیکھ کر چلوں بڑھتا تھا زبان کا کھلنا تھا کہ دونوں مار باپ لٹو ہو گئے۔ ذرا وہ ضد کرتا تو نسیم سے زیادہ قسیم بھیج ہو جاتا۔ ایک آنکھوں کے دکھنے میں اس نے قسیم اور نسیم دونوں کو رات بھر جگایا اور لپک سے لپک نہ جھپکا دی۔ نسیم تو خیر ماں تھی جتنا بھی لپٹی اور کچھ بھی کرتی کم تھا۔ مگر قسیم کی اس اندھا دہند محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نسیم ماں سے بھی زیادہ باپ کے پاس رہنے لگا۔ رات کو جب آنکھ کھل جاتی تو آنکھیں بند گردن نیچی سیدھا اٹھا باپ سے لپٹ کر سو گیا۔ ذرا باپ کے سر میں درد ہوا نہ تھے ہاتھوں سے سر دبانے بیٹھ گیا۔ باپ نے منہ دھویا اور وہ دو تولیہ لینے یہ تھیں وہ باتیں جنہوں نے نسیم کا سکہ قسیم کے دل پر بٹھا دیا۔ وہ بچہ کے آگے بیوی کو بھی بھول گیا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ نسیم رو یا اور قسیم نے کہا۔ ”سب کام چھوڑ چھاڑ پہلے اس کو لے لو، نسیم کی تیسری سالگرہ ہو چکی تھی اور قسیم کا تبادلہ دھبیر بچہ کا ہوا۔ نہ معلوم یہاں کی آب و ہوا کا اثر تھا یا یہاں والوں کی کارستانی کہ اچھے اچھے ملا اور سیانے ڈنگا جاتے تھے قسیم سیدھا سا دھما آدمی وہ ان لوگوں کی چالوں کو کیا سمجھتا تھا۔ دہڑنے کی دعوتیں ہوتیں کھلم کھلا جلسے اور علی الاعلان ناننگانے ہوئے۔ بڑی خرابی آکر یہ بڑی کہ خود تحصیلدار اسی رنگ کرتے تھے شروع میں تو قسیم نے کچھ گریز کرنا چاہا۔ مگر اتنی کا معاملہ کہاں تک پرہیز کرتا۔

دوشی سے یا جبراً جاتا اور شریک ہوتا۔ اب تک آنکھیں بند تھیں گھر یا گھر کی چار دیواری۔
 ان ہورات زندگی کی کل کائنات ایک بیوی ایک بچہ۔ اب جو دیکھا تو دنیا کے رنگ ہی اور
 ہیں۔ یہ خیال گونا گون نعمتوں سے پُر۔ انواع و اقسام کی آسائشوں سے لبریز اور طرح
 طرح کے میوؤں سے بھرا ہے۔ آنکھیں کھل گئیں خیالات فاسد جمع ہونے شروع ہوئے۔
 لاکھ کوشش کرتا کہ اس آن میں فرق نہ آئے مگر اس کا کیا علاج کہ نہ گھر میں جی لگتا نہ بچہ ہی نہیں۔
 بیوی زہر لگتی۔ بچہ دشمن معلوم ہوتا۔ یا اس صحبت سے نفرت تھی یا یہ رنجیت ہوئی بچہ ہی
 کے چھ گھنٹے قید معلوم ہوتے۔ چھوٹا اور ہنچا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دن رات کے چوبیس
 گھنٹوں میں گھڑی آدھ گھڑی کو کھڑے کھڑے آتا مزاج میں غصہ دل میں کپٹ آنکھ میں
 میل۔ تیوری پر بل۔ اٹنی سیدھی ایک آدھ بات کی اور دیوان خانے میں جا لیٹا پھر یہ بھی
 حکم نہ تھا کہ کوئی وہاں آ سکے۔ نسیم دلیخیر بیوی تھی اور بیوی بھی دوراندیش۔ اس ذہن
 کی محبت کچھ بھروسہ ہی نہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ آندھی کے آم ٹھہرنے والے نہیں۔ مگر
 معصوم بچہ پر سخت مصیبت آ کر پڑی۔ اس کو تو ماں کا کچھو ابھی باپ ہی کی گود تھی۔ یہ باپ
 کی بے اعتنائی پھول سے کلیجے پر سخت چرکا تھا۔ ساری رات اور پورے پورے دن باپ
 کو یاد کرنا آتا آتا کہتا اور روزنامین ساڑھے تین برس کا بچہ بہت سی باتیں اپنی سمجھ کے
 لائق خاصی سمجھ لیتا۔ دیوان خانہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ گرتا پڑتا باپ کے پیچھے۔ اس کے
 پاس پہنچتا اور وہ مسکرت رخ نہ کرتا۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ وہ آتا آتا "رٹنا رڈنا بلکتا اس
 کے پیچھے گیا اور ظالم نے بازو پکڑ گھر میں چھوڑ کنڈی لگائی اور وہ مٹر مٹر باپ کی صورت
 نکتا رہ گیا۔ اس ہڑ کے نے نسیم کی جان پر بنا دی۔ بہتیرا نسیم اس کو پہلانی چمکارتی
 اور سمجھاتی مگر باپ کی یاد ٹھنھے سے دل سے دم بھر کو بھی فراموش نہ ہوتی۔

ایک دن رات کے وقت گیا رہ بچے ہوں گے نسیم اپنے لال کو گلے سے
 چٹائے خیر بڑی تھی کہ باپ کے ٹھٹوں کی آواز سے نسیم کی آنکھ کھل گئی سیدھا اٹھ کر

مسکراتا ہوا باپ کے پاس چلا گیا۔ بچہ کا آنا اس وقت جبکہ قسیم اپنے دوستوں کی صحبت میں مرنے اڑ رہا تھا بہت ہی غضب معلوم ہوا۔ اس بے دردی سے اس کو بلی نکالا کہ دیکھنے والے بھی دنگ رہ گئے۔ بچہ کی بے غیرتی سمجھو یا فوط حجت کہ ڈر اڑوں میں ہی کھڑا اچھا لکھتا رہا اور باپ کو حجت سے آوازیں دیتا رہا۔

ایک مہینہ مشکل سے اسی طرح گزارا ہوگا۔ قسیم کی دونوں ہنہیں بھائی بھابھ کی اجازت سے چند روز کے واسطے وطن گئیں اور صرف نسیم اور اس کا بچہ گھر میں رہ گئے۔

خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ مگر ایتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ میں بچپن میں روز تک باپ کی اس سنگ دلی پر بھی نسیم پر کوئی خاص اثر نہ تھا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیتا رہا۔ اس نے باپ کی بے دردی یا ظالم کا ظلم کا بھی طرح چھیل لیا اور ضبط کیا مگر اس کے بعد بھی سی جان تاب نہ لاسکی۔ ایک دن ادھر قسیم گھر آیا اور آدھروہ جاکر باپ کے پاؤں میں لپٹ گیا۔ بہت ممکن ہے یہ خیال کیا جائے کہ نسیم نے سکھا دیا ہو مگر اس کا پیٹ پھجیا ہے۔ وہ مرگئی ہم کو مرنا ہے۔ نسیم اس شان کی عورت نہ تھی وہ ایسی پھوپھی کی جتنی اور ایسی آستانی کی شاگرد تھی کہ فاقے پڑتے درد کی بھیک مانگتی مگر قسیم جیسے شوہر کی نگاہ میں ذلیل نہ ہوتی نسیم کا یہ فعل اس کا ذاتی تھا کہ باپ کا پاؤں پکڑ لیا اور نہ جانے دیا۔ لیکن افسوس شقی القلب باپ نے اس طرح پاؤں چھٹا کر بچے کے منہ میں اٹری لگی اور خون نکل آیا۔ وہ ٹپٹا ہی رہا اور قسیم یہ جاوہ جا۔ اس واقعہ کا تیسرا روز تھا کہ نسیم نے بچہ کو ہلایا۔ سر میں تیل ڈالا۔ کچھ کی کچھ کی تو اس کی صورت بکھی۔ پیار آیا۔ گود میں اٹھا کلیجے سے لگا لیا۔ مگر آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ نسیم ماں کی یہ حالت دیکھ کر ایسا بے چین ہوا کہ اپنے کرتے کے دامن سے ماں کے آنسو پونچھے اور کہا: "اماں جان کہوں لوئی ہو۔"

نسیمہ: ”بیٹا رو نہیں رہی۔ چلو کلر لیٹ جاؤ۔“
 نسیم: ”اماں۔ آبا ہم کو گود میں نہیں لیتے۔ خیر میں اب بڑا ہو جاؤں گا میں بھی
 اماں ہی کو گود میں لوں گا۔ ان کو بھی نہ لوں گا۔“
 نسیمہ بچہ کی بات پر مسکرا دی، فوب بچہ کر بیا رکھا اور کہا: ”اللہ تمھاری عمر دراز
 کرے۔ تم جیتے رہو بس یہی سب کچھ ہے۔“

دو پہر ہو چکی تھی لے کر لیٹی تو بچہ سو گیا۔ ظہر کی اذان ہوئی تو نماز کو اٹھی۔ فارغ
 ہو کر بچہ کے پاس آئی تو اس کا پنڈا پھیکا تھا۔ کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ بچہ کو اس غضب کا
 بخار چڑھا کہ الہی تو بہشت ارکے وقت وہ معصوم جنوں کی طرح جھن رہا تھا۔ اتنا بڑا
 دھندلار لکھو یا نا چلی گئی اور نسیمہ اپنے لال کو گود میں لئے پڑی تھی۔

دن کی اس کی باتیں یاد آئیں۔ کلیجہ پر تیسرے لمحہ ہلکے دھچکتی تھی کہ شاید بدن پہنچ گیا
 ہو مگر وہاں تو بھار جھن رہا تھا۔ ادھی رات کا وقت دل ہوا ہو گیا۔ نسیمہ آج کسی خاص طلبہ
 میں تھا اور معصوم بچہ ظالم باپ کو بخاری حالت میں خواب میں دیکھ رہا تھا۔ دفعۃً آنکھ
 کھولی۔ ”ابا کہہ کر ماں سے لپٹ گیا اور پھر آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ ماں نے ہر خند چمکرا۔
 مگر وہ روتا پٹینا گود سے اُترا۔ اور دیوان خانے کی طرف۔ نسیمہ نے بچے کے پکڑنے میں
 کمی نہیں کی۔ مگر کچھ گوارا نہ کرتا تھا کہ اس کو روک لے۔ وہ دیوان خانے کے دروازے
 پر گیا اور باپ کو بلاتا رہا۔ لاکھ نسیمہ کہہ رہی تھی کہ ”بیٹا ابھی نہیں آئے“ مگر وہ بکس رہا
 تھا اور کہہ رہا تھا: ”ابا جان اندر لیٹے ہیں۔ کنڈی لگالی ہے۔“ نسیمہ نے بچے کو گود میں
 اُٹھا لیا۔ آسمان پر کالی گٹھا چھائی ہوئی تھی اور ہوا زور شور سے قراٹے بھری تھی۔
 بچہ کو اندر لے کر دالان میں آئی۔ منہ پر منہ رکھا پیار کیا۔ چٹپٹا یا۔ گلے میں ہاتھ داسے
 ننھے ننھے ہاتھوں کو سینہ پر رکھا اور رد کر کہا۔

معبود حقیقی یہ دیکھا مصیبت زدہ نسیمہ کا لال، تیری امانت ہے۔ الہ العالمین

(۱۶)

نسیم کی موت بد نصیب ماں کے واسطے ایک ایسا مصیبت کا پہاڑ تھا جس نے رہے ہے ہوش و حواس بگاڑ دیئے۔ ایکسٹروٹوں دن بھر پڑی رہتی۔ زیادہ بیتاب ہوتی رونے لگتی کچھیں ایک ہوک اٹھتی۔ دل پر چوٹ لگتی۔ آنکھوں میں اندھیرا آتا۔ دماغ میں جھکراتے۔ دیوانوں کی طرح پھرتی۔ سودا یوں کی طرح رہتی اور کوئی اللہ کا بندہ انسانہ تھا کہ دو باتیں کرتا اور اس کا غم غلط ہوتا۔ نسیم کے ٹھاٹ ہی اور تھے۔ اس کا دل پہلے ہی بیوی بچے کی طرف سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ بچ تو درکنار اس کو مال بھی نہ ہوا اور دو ایک روز بعد خیال بھی جاتا رہا۔ مگر ماں ماننا کی ماری، نسیم جیسے لال کو، پال پوس، گہری گور میں سلا، زندہ درگور ہو گئی۔ کیسا کھانا پینا اور کس کا اٹھنا بیٹھنا۔ دو دو تین تین وقت صاف کل جاتے۔ بڑی مشکل سے کچھ لے کر بیٹھی اور پہلا ہی لڑا لگولی بن کر حلق میں رہ گیا۔ بچہ کی یاد آتے ہی بھوک پیاس سب اڑ گئی۔ دروازے پر جا کر جھانکتی، سڑک پر چاروں طرف دیکھتی، چھتوں کی طرف گھورتی۔ لیکن وہ چاند سی صورت نظر نہ آتی۔ چاند اس کے سر پر چمکتا۔ بادل اُس کے سر پر آتے۔ بوندیاں اُس کی گود میں گر تیں۔ پھو ارا اس کے بدن پر پڑتی۔ مگر بچہ کی جھکٹ دکھائی دیتی۔ چاند سے باتیں کرتی۔ ابر کے ٹکڑوں سے خطاب کرتی روتی اور کہتی: "کالے کالے بادلوں گھر گھر کر آؤ۔ چاند کو چمکاؤ۔ تاروں کو دمسکاؤ۔ گرجو برسو۔ پانی گراؤ۔ بوندیاں سناؤ۔ سبزے آگاہ۔ پھول کھلاؤ۔ کھیتیاں سیراب کرو۔ پودے شاداب کرو۔ مگر آہ میرے لال کی صورت نہ دکھاؤ۔" ہمینہ بھر کے قریب نسیم کی یہ کیفیت رہی۔ پھوپھی کو اس کی حالت کا پورا اندازہ تھا۔ جب طبیعت زیادہ بگڑنے لگی تو پھوپھی نے یہ خط لکھا:

"نسیم بیاری کو پھوپھی کی طرف سے دعا۔ بیٹی تمہاری مصیبت و کیفیت معلوم ہو کر فرسوس

بھی ہوا اور تعجب بھی جانتی ہوں تمہاری آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ نسیم جیسا لال

تمہاری گود خالی، تمہارا گھر سونا اور تمہاری زندگی برباد کر گیا۔ تم جتنا روکم اور کچھ

کروٹھوڑا۔ مگر بیٹی دنیا کا یہی دستور ہے۔ بخوار بچہ انوکھا نہیں مرا۔ جہانستان میں جا کر دیکھو اتنی اتنی
 قبریں ہزاروں دکھائی دیں گی۔ یہ بھی کسی کے بچے کے ٹکڑے تھے۔ چھاتیوں پر سوئے سینوں پر
 لوٹے اور آج ہزاروں من مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں جن ہاتھوں سے ان کو لوریا گیا۔
 ان ہاتھوں سے گہری نیند سلا دیا۔ دنیا اسی کا نام ہے یہ سلسلہ چل رہا ہے اور چلے گا۔ قدرت
 کا انتظام ہے پورا ہو رہا ہے اور ہو گا۔ بخوارے یا میرے رو سکے رنگ نہیں سنا سینگے
 بخوار کی ملکیت نہ تھا۔ بخوارے پاس امانت تھی جب تک جی چاہا چھوڑی اور جب جی چاہا
 لے لی۔ تم روئے والی کون سا دلہن زندگی پر گریہ کر رہی ہو گی ایسی باتیں جو اس مصیبت آشنا نہیں کیا
 و حجت کے سب بھل باغبان ہی کی ملکیت ہیں۔ نہیں ان میں کچھ کچے کرتے ہیں۔ کچھ طوٹے
 کھاتے ہیں۔ کچھ مریا دہوتے ہیں۔ تم نے ابھی دنیا کا کیا دیکھا ہے۔ یہ انسانی زندگی کر
 نیشب و فراز ہیں۔ اگر تکلیف نہ پہنچے اور مصیبت نہ آئے تو انسان خدا کو بھول کر بھی
 یاد نہ کرے خدا ایسے ہی وقت پر یاد آتا اور ان ہی موقعوں پر اس سے مدد ملتی ہے۔ تم اس
 مصیبت سے اکتا گئیں جو درحقیقت مصیبت نہیں۔ تم مسلمان ہو اور قرآن و حدیث
 تمہارا ایمان کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضور اکرمؐ نے یہ فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے معصوم
 میدان حشر میں ماں باپ کی مغفرت کرائیں گے دنیا اچھی طرح یا بری طرح اس کی
 گزری ہے اور گزرے گی۔ اسی بہانہ سے نسیم بخوارے واسطے توشہ آخرت اور
 سبب مغفرت ہو گیا۔ اصل مرحلہ تو وہاں کا ہے۔ یہ تو سیما فی جلوئے اوکھائی
 نظر آ رہی ہے۔ کیا تم کو وہاں جانا نہیں اس وقت کو بھی آیا سمجھو آنکھ بند کرنے کی دیر ہے۔
 یہ رات کوئی دم میں صبح ہوئی اور سفر شروع ہو گیا۔ کسی کٹھن منزل اور کڑا راستہ ہے۔
 جہاں آدمی نہ آدم را کوئی سنگی نہ ساقی نہ بہیدیاں نہ بھولیاں صرف اپنے اعمال
 اور اپنے افعال۔ نسیم بیگم اس وقت کون مددگار ہو گا۔ حسرت و
 یاس سے جا۔ دوسرے طرف دیکھو گی اور کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔ ایک عظیم الشان دربار

ایک زبردست حاکم تخت حکومت پر ہو گا اور ایک عاجز انسان، ایک ہندہ گنہگار کی ہستی
 نسیم اس نازک وقت میں مجھ جیسی عاشق زار چھوٹی اور زائد جیسا غمگسار باپ اپنی
 اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ ہاں اس وقت ایک بچہ دوڑ کر تھاری چھاتی سے
 لپٹے گا اور تھارا ہاتھ پکڑ کر حبش میں لے جائے گا۔ اور وہ تھارا لال نسیم ہو گا۔ تم نے
 اپنے واسطے پہلے سے ایک سامان بھیج دیا۔ اور وہ سامان اس آڑے وقت میں تمہارے
 کام آئے گا۔ مگر آج تم اپنے آنسوؤں سے اس پھول کو پامال کرتی ہو۔ اس سے زیادہ
 نفرت، اس سے بڑھ کر ہی قوتی کیا ہوگی؟

میں نے میاں نسیم کا حال بھی سنا۔ وہ ماشاء اللہ سمجھدار آدمی ہیں جو ناسمجھ
 وہ کر رہے ہیں۔ تم کیوں رنجیدہ ہوتی ہو۔ ان کو اس فانی دنیا سے خوش ہو لینے دو۔
 ان کو نسیم کی آواز ناگوار تھی، اب یہ آواز ان کے کان میں نہ آئے گی۔ دنیا کی تمام ہدایاں
 ان کے واسطے ہوں گی۔ وہ آج نائب تحصیلدار ہیں کل تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹروں کو لکھیں کہ
 ٹکڑے نسیم کی بڑیاں گل کر خاک ہو چکی ہوں گی۔ وہ باپ کی آواز کو ترستا اور
 صورت کو پھر کتاب کے گھر سے سدھارا۔ مگر وہ باپ کا عاشق زار تھا وہاں بھی
 باپ کو نہ چھوڑے گا۔ اس وقت خود میاں نسیم کو معلوم ہو گا کہ میں نے کیا کیا تم
 کو خدا دونوں وقت کھاتا دے رہا ہے۔ عزت سے ایک کو نے میں بھیجی ہو۔ پیسے کو کپڑے
 پکانے کو ماما، مختار سے پاس موجود ہے۔ شوہر کا شکریہ ادا کرو۔ اور دعا کرو کہ
 خدا ان کو نیک توفیق دے۔ بہت سی اللہ کی بندیاں تم سے بدتر حالت میں ہیں۔
 ان پر نظر ڈالو اور خدا کا شکر کرو۔ ماں باپوں کی بیٹیاں بڑے بڑے دکھڑے بیٹنی
 ہیں۔ باپ دادا کی شان آج تم میں ہے۔ ان کا خون مختاری رگوں میں دوڑ
 رہا ہے۔ نسیم بیگم وہ کام نہ کرنا کہ کل باپ دادا سے شرم سار ہو۔ وہ مر گئے
 ان کا نام باقی ہے۔ ان کی عزت مختار سے ہاتھ اور ان کی شرافت تمہارے ساتھ ہو

بیٹی مصیبت کو بھیاؤ سختیوں کو استقلال سے اور تکلیفوں کو ہمت سے اٹھا ڈاؤں
میری یہ بات لکھ رکھو۔ میاں قسیم کے نئے دوست ساون کی چڑیاں ہیں چند روز
میں اڑ جائیں گی۔ وہی گھر ہو گا اور وہی تم ہو گی۔ ایسا نہ ہو اس وقت کا پتہ ڈاؤں اور
ان دنوں کا کوئی افسوس بھٹارے پاس باقی رہ جائے یہی آزمائش کا وقت ہے۔
پہلے سے زیادہ خدمت کرو اور تہاد کو کہ شریفوں کی بیٹیاں مصیبت میں گنہگار اور
تکلیف میں پاستے کی طرح چمکتی ہیں۔ یہ دن ہمیشہ رہنے والے نہیں۔ خود زمانہ میاں
قسیم کی آنکھیں کھولے گا وہ اپنے کئے پر روئیں گے۔ اُن کا دل شرمندہ، اُن
کی نگاہ نیچی، اُن کی آنکھیں نم، اور اُن کا ضمیر پریشان ہو گا۔ مگر ضرورت یہ ہے کہ اُس
وقت بھٹا ر دل بشارت بھٹاری نگاہ اونچی اور بھٹاری آنکھیں شیریں ہوں۔ دنیوی
فیصلہ کا وقت وہی ہو گا۔ اور صرف تم دونوں کے دل اُس وقت منصف ہوں گے
نسیحہ بیگم ایسا نہ ہو کہ میاں کے سامنے بھٹاری نگاہ نیچی ہو جائے۔
قسیم میاں کو میری طرف سے دعا کہنا۔

دعا گو

بھٹاری بھوپتی

(۱۸)

ڈاک قسیم کے ہاتھ میں آتے ہی اُس نے بھوپتی کا خط پڑھا خط کیا گزری ہوئی
داستان کا پورا بیان اور آئندہ کی سچی پیشین گوئی تھی۔ ہر حرف کلیجہ میں گڑا اور دل میں کھپا
اپنی بھونڈی اور بھٹی تصویر الگ دکھائی دی۔ اس پر بھوپتی کی شفقت اور یہ گراں پایہ
نصیحت، کچھ ایسا جا دو غنا کہ چینیں مار کر رونے لگا۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ مجھ سے زیادہ
ظالم مجھ سے بڑھ کر دعا باز کون ہو گا۔ جس نے ایسی بیوی کو خون کے آنسو روا دیئے
بھوپتی نے جس وقت کی طرف اشارہ کیا تھا وہ فوراً ہی آنکھ کے سامنے آگیا۔ بنیاب ہو کر

خطے ہوئے اندر گیا۔ دیکھا تو بیوی کچہری کے لئے اندھے تل رہی تھی۔ یہ اور بھی زبردست چرکا تھا۔ صورت پر نظر پڑتے ہی کچھلی تمام باتیں یاد آ گئیں اور ساتھ ہی خیال آیا کہ اس سختی پر بھی بیوی نے کبھی آدمی بات زبان سے نہ نکالی۔ نسیم نے اگر اندھے اور روغنی روٹی باندھی۔ پانہ جاکر میاں کے سامنے رکھا۔ دل اُسڈر ہاتھ دیا وہ دارا اُس کی پاؤں پر گر کر اور کہا۔
 ”بیگم مبرا قصور معاف کر دو“

شوہر کے اس طرح خلاف عادت پاؤں پر گرنے سے نسیم ہر دم گئی۔ پہلے تو وہ کچھ سمجھی نہیں مگر اس کو رونے لگا۔ کچھ نہ ہو سکا اپنی آنکھ سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ سر اٹھا کر ہاتھ میں لیا۔ اور اس کے قدموں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

”یہ کام تو میرا ہے۔ بھٹا را نہیں“

”تم اقامتیں لونڈی۔ تم حاکم میں محکوم۔ تم سرتاج ہو۔ میں چیری۔ تم مالک ہو میں باندی۔ مجھے کو گنہگار نہ کرو۔ سچ کہتی ہوں میں اب تک پوری طرح نہ سمجھی کیا معاملہ ہے لیکن تم نے میرے پاؤں پر سر رکھ کر میری زندگی پر ایک بدنما دھبہ لگا دیا۔ خدا شاہد ہے۔ میں ہجیر تھی۔ ورنہ میں اس سر پر قربان ہونے والی ہوں۔ خدا اس سر کو ہمیشہ بلند رکھے۔ اس سر سے میری عزت اور اس زندگی سے میری وقعت ہے۔ بھٹا را ہے۔ در پر میری پاکی آئی ہے اور کھٹولی جاسے گی جیوں تو بھٹا را کی اطاعت میں اور مردوں تو بھٹا را کی خدمت میں۔ آرزو ہے کہ بھٹا را سے ساتھ عزت آبرو سے زندگی بسر ہو اور ارمان ہے کہ بھٹا را سے ہاتھ سے بیونہ زمیں ہوں۔ باپ دادا کا سایہ میرے سر سے اٹھ چکا۔ بھائی کوئی موجود نہیں۔ بچے وارث اور حقیقی مالک تم ہو۔ زندہ لاسے ہو مردہ۔ یہ بیٹا میری زندگی کی مراد میرے دل کا ارمان اگر ہے تو اتنا کہ بڑوں کی لالچ اور نیرگوں کی آن میں فرق نہ آئے۔ جس ہاتھ سے پکڑا ہے اسی سے سپرد خاک کر دینا اللہ بس باقی ہو۔“

قدیس سر کی آنکھ بیوی کے سامنے ہوتی نہ تھی۔ وہ سرنگوں تھا۔ بیوی کی تقریر سے

ہجلی بندھ گئی۔ اس کا ہاتھ آنکھ سے لگایا اور کہا۔

”تم شریف ہو میں ذلیل۔ تم بیگم ہو میں لوکر۔ تم انسان ہو میں پتھر میں تم سے اور
تمھارے معصوم لال سے شرمندہ ہوں۔ میں نے تمھاری قدر نہ کی۔ مگر تم نے اس پردے
میں وہ جوہر دکھایا جس کی چمک قیامت تک ٹٹنے والی نہیں۔ مرنے والی رو میں تمھاری
زندگی پر فخر کریں گی اور آنے والی نسلیں تمھارا نام سرائیوں پر رکھیں گی۔ تم انسان کی صورت
میں فرشتہ اور نیسہ کی صورت میں حور ہو۔ تم نے میرے ظلم سے تپہ اور آفتاب کی مصیبتیں
بھگتیں اور آہ۔ نہ کی میں گنہگار ہوں، مگر سارہوں۔ منہ نہیں کہ معذرت کر سکوں۔ اور آنکھ
نہیں کہ رو سکوں۔ نسیم بیگم، بیاں تم سے سیکھیں گی۔ بیٹیاں تمھارا نمونہ بنیں گی۔ تم
آخرت میں با مراد ہو گی۔ زندگی تمھارے واسطے چمن اور موت تمھارے واسطے دہن
ہو گی۔ مگر آہ میں بد نصیب دونوں جہاں سے گیا۔ بیگم! میرا ایمان مجھ پر ملا مت کر رہا ہے۔ میرا
دل مجھ پر لعنت بھیج رہا ہے۔ نسیم بیگم! اپنے کرم سے اپنے رحم سے اپنا عذر اپنے
باپ کی روح کا صدقہ۔ میرا حضور معاف کر دو۔“

لاکھ قسمیں کے مظالم کی تصویر نسیم کے سامنے تھی۔ مگر اس کی تقریر سے پتھر بھی
موم ہو جاتا۔ ضبط نہ کر سکی۔ اس کے قدموں کی طرف جھکی۔ اور کہا۔
”اچھا“

اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف دونوں میاں بیوی ہاتھ اٹھا کر
کھڑے ہوئے۔ اس وقت نسیم نے اپنے آنسوؤں کو روکا اور کہا۔

”مصیبت میں کام آنے والے معین! بیکسوں کو مدد دینے والے مددگار!
ہم دونوں شمسار گنہگار بندے تیرے حضور میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری زندگی گناہوں
سے بھری اور غلطیوں سے لٹھری تیرے سامنے ہے۔ سچے دل سے اور اچھی نیت سے
ہم توبہ کرتے ہیں قبول کر اور توفیق دے کہ دم واپس تک اپنے قول پر ثابت قدم رہیں۔“

(۱۹)

قسیم کا دل اس وقت بیوی کی صفائی سے کچھ ٹھیک رہا، اور بات بھی گہری ہوئی مگر یہ دہا کا کچھ ایسی بری طرح اس کے دل پر بیٹھا کہ وہ دم بھر کو بھی اس سے غافل نہ ہوتا۔ سوتا ہے تو خواب اور جاگتا ہے تو خیال اکچھری کے سوا باہر کا آنا جانا اس نے قطعاً موقوف کر دیا۔ وہ خود جس وقت اپنی پھلی حالت پر غور کرتا تو کانپ جاتا۔ کچھری میں جی لگتا نہ گھر میں، قبرستان جاتا۔ بچے کی قبر پر روتا اور کہتا: ”مجھ سے زیادہ ظالم باپ کون ہو گا جس کا لال میرے ظلم کا شکار اس جنگل کو آباد کر رہا ہے۔ زندہ ہوتا تلافی کرتا معافی مانگتا۔ مگر اب کیا کروں؟“ بیوی کو دیکھتا کہ اس کی آنکھ میں سیل ہے نہ تیوری پر بل۔ ہر وقت خدمت میں مصروف اور اطاعت میں سرگرم قسیم کی یہ حالت دیکھ کر نسیم ہر چند اس کو سمجھاتی اور قسم سے کہتی مگر اس کو کسی طرح تسکین نہ ہوتی۔ کچھری کا کام خراب ہونے لگا اور غذا ایسے نام روگئی قسیم کی یہ کیفیت دیکھ کر نسیم کو دوسرا کھٹکا پیدا ہوا۔ تین بیٹے کی چھٹی دوا گھر لائی۔ انگریزی اور یونانی سب ہی قسم کے علاج کرائے۔ مگر قسیم کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی، چند روزیں اٹھنا بیٹھنا قسم ہو گیا۔ ہر وقت پیگ پر پڑا رہتا۔ زندگی کے کارنامے پیش نظر ہوتے اور حسرت و یاس کی تصویر آنکھ کے ردرو۔

نسیم ان بیویوں میں سے بیوی نہ تھی کہ قسیم کے دکھ یا دکھتی اور سکھ بھول جاتی وہ خوب اچھی سمجھتی تھی کہ اگر خدا نخواستہ یہ مر گیا تو پوری مٹی پلید ہوگی۔ اس کا ظلم دوسرے کے رحم سے اچھا۔ اس کی نفرت اور کی جھڑپ سے بہتر اس نے جی کھول کر شوہر کی خدمت کی۔ تمام رات اس کی پٹی پکڑے بیٹھی رہتی۔ ماماکیں چھوکر یاں بہنیں بھاؤ میں سب موجود تھیں۔ مگر اس کو کسی پر اعتبار نہ تھا۔ اپنے ہاتھ سے دوا لیتی۔ اپنے سامنے پلاتی۔ مگر خرابی یہ تھی کہ کوئی خاص مرض نہ تھا۔ ایک ندامت تھی جس نے قسیم کی جان پر بڑی آس میں شک نہیں نسیم نے خدمت کا وہ حق ادا کیا کہ قسیم اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔ ایک روز اچھی رات

کے وقت سب پڑے سوتے تھے۔ نسیم بیٹی جاگ رہی تھی کہ قسیم نے پانی مانگا۔ پلا چکی تو قسیم نے ہی اپنی معذرت شروع کی۔ کچھ دیر تک نسیم چپکی بیٹھی سستی تری اور پھر کہا۔
 ”میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی اور اب پھر کہتی ہوں۔ میری زندگی کی تمام بہاریں تمھارے دم سے ہیں جب خدا خواستہ تم نہ ہوئے تو میرا جینا بیکار اور رہنا فضول۔ تم اپنی جان کو گھلا کر مجھ کو زندہ درگور کر رہے ہو۔ موت اس وقت سے بہتر ہے جب مجھ کو خدا یہ وقت دکھائے میں کچھ نہیں کہتی۔ مگر تم اپنے ساتھ میری زندگی کا عالمہ کر رہے ہو۔ یہ دنیا جو آج تمھارے دم سے میرے واسطے جنت ہے۔ خدا خواستہ تمھارے بعد میرے لئے مصیبت ہوگی۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ ہماری زندگی ابھی ایک کونسل ہے جس میں بہت سے پھل پھول آئے ہیں۔ تم اس لہلہاتے پودے کو کیوں پامال کرتے ہو انسان سے غلطی ہوتی ہے۔ وہ خطا و نسیان کا پتلا ہے۔ اس خیال کو دل سے نکالو اور مجھ پر رحم کرو۔ تم پیلول میں میرے کمرے کے بٹنی تھے۔ آج میں تمھاری محبت کی خواندگار ہوں۔“
 نسیم کی یہ درخواست قسیم کے دل کو لگ گئی۔ نہایت کا اثر قدرتی طور پر بھی اس کے دل سے کم ہوتا چلا جاتا تھا۔ بیوی کی التجا نے مرہم کا کام کیا اور چند روز بعد قسیم اچھی طرح چلنے لگا۔

(۲۰)

شہر کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد نسیم کو اب کوئی خاص فکر نہ تھا۔ بچہ کا صدمہ بھی زائل ہو چکا تھا۔ ہاں یہ خیال اکثر اس کے دل میں کھٹکتا تھا کہ وہ پھوپھی کی خدمت بڑھاپے میں جتنی چاہتی تھی نہ کر سکتی تھی اس میں شک نہیں کہ اگر وہ دس پانچ روز کیا۔ چار پانچ جینے بھی متواتر وہاں جا کر رہتی تو قسیم اتنا دب گیا تھا کہ خواجہ کھلیف ہوتی، ناخوش ہوتا، زبان سے آف نہ کرتا۔ لیکن نسیم نہ تو وہ بیوی تھی جس نے تمام عمر شوہر کو شکایت کا موقع ہی نہ دیا۔ دل ضرور تڑپتا طبیعت بے شک سچین ہوتی۔ مگر صبر کرتی اور ضبط کرتی۔ جانتی تھی کہ میرے باہر قدم دھرتے ہی سارا گھر چوٹ ہو جائیگا۔

نندیں کو موجود ہیں مگر پھر لڑکیاں ہیں۔ بھائی کو پورا آرام ہرگز نہ پہنچا سکیں گی۔ آٹھویں دسویں جاتی صبح گئی دن بھر رہی شام کو آگئی یہاں بھی کوئی خاص کام اس کے سپرد نہ تھا مگر سب سے زیادہ تو دوسندوں کی حفاظت ہی ایک ایسی ذمہ داری تھی جس نے اس کو کو قید کر کے بٹھا دیا۔ دن بھر کو بھی جاتی تو میاں کو گھر میں بٹھا کر۔ ساس کی وصیت کے علاوہ خود بھی ان بچپن سے کچھ ایسی محبت کرتی تھی کہ شاید ماں بھی ہوتی تو اتنی ہی کرتی ہڑی سرائے اب سوطویں برس میں تھی۔ مگر ہندوستان کے موجودہ تمدن نے جو لڑکیوں کی بے وقعتی کی ہے اس سے یہ گھر بھی نہ بچا۔ دن ہوا ہوسے جاتے تھے اور کوئی جھوٹا موٹ آکر یہ بھی نہ پوچھتا تھا کہ اس گھر میں کوئی لڑکی ہے۔ امیر گھر کی بیٹی کھائی۔ پی۔ اطمینان کی روٹی۔ بے فکری کی نیند فیل کا فیل بنی ہوئی تھی۔ قسیدہ کو تو ہر واہ بھی نہ تھی مگر نیند کا آسے دیکھ دیکھ کر خون خشک ہونا تھا چاروں طرف تلا تو پڑالی ریشاٹ اور بیچ والیاں سب ہی سے کہا اور ننگا مگر سال پورا گزر گیا اور ایک بات ٹھنک کی نہ بڑی۔ خدا خدا کر کے اٹھا کر برس بئی کے بھاگوں چھدیکا ٹوٹا اور ایک پیغام آیا۔ خدا کی شان ہے جس لڑکی کے ساتھ دس ہزار کی جائداد اور دریا بار کا آدھا موضع اور ایک کے بدلے چار چار زور پور ہوں۔ اس کے خواستگار ایسے صاحبزادے ہوئے۔

(عمر کے ادھیڑ صورت کے جشتی۔ مزاج کے خاصے۔ سو روپے کے نوکر تین بچوں کے باپ۔ لنگڑے۔ رنڈوے۔ پردیسی۔)

(نسیمہ تو اٹھ گئی تھی مگر چھوٹی نے کہا۔ "بیٹی کب تک بٹھاؤ گی۔ جوانی دھل رہی جو پھر کوئی اتنا بھی نصیب نہ ہوگا جس گھر میں دیکھو کوہ کوٹ چنے ہوئے ہیں بیٹیاں کیا ہیں چونیٹوں کی فوج ہیں برکتا نہیں۔ بسم اللہ کرو۔"

مجبور نسیمہ بھی راضی ہو گئی۔ قسیدہ بھی ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر بہن کو دواغ کرنے آگیا۔ ہم کو اس شادی کے صرف اس حصہ سے بحث ہے جو نسیمہ سے متعلق

سے وداع سے ایک روز قبل اس نے منہ کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا۔
 ”مرا بعدہ بیگھ میں تم کو اس کام کے واسطے جواب قدرت سے تم سے لینا چاہتی
 ہے۔ بتیں ہوئیں کہ تیار کر چکی ہوں۔ مگر اس کام کی ایک شاخ ایسی نکلی ہے جس کے
 متعلق میں تم سے آج تک گفتگو نہ کر سکی۔ بیٹی شادی میری ہو چکی اور بھاری ہو رہی تو
 میں ماں بن چکی اور تم ہو گئی۔ نہیں تم بیوی ہونے کے ساتھ ہی ماں بھی ہو گئی۔ تمہارے
 تین بچے موجود ہیں اور دنیا ایک اہم ذمہ داری کا کام تمہارے سپرد کر رہی ہے۔
 مجھے اندیشہ ہے کہ تم آئندہ چل کر اسے تکلیف سمجھو۔ اور یقین کر لو کہ بھابھہ نے یہ جان
 کر کہ سوت اچھی اور سوت کے لیٹے برسے، مجھ کو کنوئیں میں دھکیل دیا لیکن
 نہیں ہیں ایمان سے کہتی ہوں۔ تم مجھے پیٹ کی بیٹی سے زیادہ ہو۔ مگر کیا کروں نقین کرنا
 راتوں اسی بھکت میں رہی اور سوچتی رہی ہوں کہ کسی طرح تم کو دلہن بناؤں۔ مگر کیا کروں
 تمہارا سجوگ ہی تھا اور یہ انوکھا تھا را نہیں ہے۔ ماں باپوں کی بیٹیاں سو کنوں
 اور ان کے بچوں کو بھی بھر رہی ہیں اور بیسیوں اللہ کی بندیاں ایسی نکلیں گی جنہوں نے
 اس کٹھن رستے کو گلزار کر لیا۔ تم اگر ایمان داری سے کام کرو گی اور سمجھو گی کہ بے ماں
 کے بچے تمہارے اپنے بچے ہیں تو دونوں جہاں کی خوبیاں تمہارے واسطے موجود ہیں۔
 معصوم بچے بے قصور ہوتے ہیں۔ نکاح کا ذمہ دار ان کا باپ ہے۔ وہ نہیں۔ پھر
 ان سے نفرت کرنی غلطی اور بیہودگی ہے۔ خدا نے ان سے ایک ماں چھین کر دوسری
 اس لئے دی ہے کہ وہ پہلی ماں کو بھلا دے۔ ان کو چھاتی سے لگائے اور شفقت
 سے سلائے۔ مگر بہت سی کم بخت لڑکیاں اس جلاپے میں پڑ کر دین و دنیا دونوں
 برباد کر لیتی ہیں۔ دو رکیوں جاؤ۔ اپنی بھوپنی زاد بہن ہی کو یاد کر لو۔ تم نے ان کو
 دیکھا تو ضرور مہوگا۔ آپا نصیرا کو مرے مشکل سے آٹھ برس ہوئے ہوں گے۔ ان
 کو بھی ایسے گھر جانا پڑا جہاں ایک بچہ سا جلد موجود تھا تین برس کا بچہ سمجھتا بھی نہ تھا

کہ موت اور شادی ہے کیا بلکہ باپ بیٹے کا عاشق زار تھا چار سو روپے کی تخواہ ہزار بارہ سو روپیہ کا کرایہ۔ روپے کی کیا کمی ذرا بچہ کا پنڈا پھیکا ہوا اور اس نے جھٹ سے چار بکرے کر دیئے میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ماں کے مرنے سے کوئی دو مہینے پہلے تو قی جچی آئیں۔ بچہ کو دیں اٹھالیا اور اس کی ماں ذاکرہ بیگم کو ہزاروں دعاہیں دیں۔

بیچاری غریب آدمی تھیں کنبہ ہی سے سلوک ہو جاتا۔ اس میں گزر کر تین ذاکرہ نے بچہ کو اٹھنی دی کہ جا کر تو قی جچی کو دیدو۔ بچہ لے کر گیا۔ جچی نے کہا "چند ضرورت زیادہ ہے۔ روپیہ دے"۔ بچہ اٹھنی پھیر لیا۔ اور ماں سے کہا "روپیہ دو" ذاکرہ کہنے ہی کو یکم نہ تھی ایک روپے کی جگہ سو روپے بچے پر سے قربان کرنے اس کو مشکل نہ تھے دل کی بھی لپی تھی کہ روپے کی جگہ ہمیشہ دس اٹھائے۔ مگر وقت کی بات ہے۔ اس وقت اگر ٹکی اور کہا "نہیں۔ بس اٹھنی دیدے" بچہ بھی آخر کس ماں کا تھا۔ لگا ایڑیاں رگڑنے اور پٹھنیاں کھانے "کہہ سائے روپیہ لوں گا" ذاکرہ نے بھی قسم کھالی کہ دیکھوں تو سہی تو ہے کس کا بچہ، روپیہ لے لوے اتنے میں باپ کبھی سے آگیا۔ کپڑے بھی تو نہ اتارے ای لہٹ لہٹے پتھرے بچہ کو گو دیں اٹھالیا اور چمکا کر کہا "میرا چاند ایک روپیہ کیا مجھ سے لے۔ دو دوں چار دوں۔ دس دوں" ذاکرہ بھی ضد نہ تھی۔ قسم کھا کر کہا "اگر تم نے اس کو روپیہ دیا تو مجھ سے زیادہ برا کوئی نہ ہوگا" ہم سب بیٹھے ہنس رہے تھے کہ بچہ کی ضد۔ ماں کی قسم۔ فیصلہ دیکھیں کیا ہوتا ہے، بہتیرا ہی ڈپٹی صاحب نے اس کو پیار کیا مگر وہ کیا قابو میں آنے والا تھا۔ میاں نے بیوی سے کہا "تم نے سچ سچ روپے کی قسم کھالی ہے؟"

بیوی "ہاں۔ میں نے قسم کھالی ہے۔ اس وقت نہیں دوں گی پھر چاہے دو دے دینا" ڈپٹی صاحب نے ماما سے کہا "میرا صند وچھلا"

بیوی "اچھا تم روپیہ دے کر دیکھو۔ خدا کی قسم جو میں اس کو اپنے ساتھ

سلاؤں۔ میری قسم کوئی چیز ہی نہ ہوئی۔

میاں۔ ”تم دیکھو تو یہی۔ بخاری قسم ٹوٹے جب ہی خفا ہونا۔“

بیوی۔ ”ہاں اچھی بات ہے۔“

ڈپٹی صاحب نے صندوق کھولا۔ اشرفیوں کی نہ بچھی ہوئی تھی۔ بیٹے سے کہا۔
 لو ایک لچا کر دیدو۔ بیٹے نے اشرفی اٹھالی اور جا کر دیدی۔ چچی نے ہزاروں دعائیں دیں۔
 ادھر باپ ہنسا اور ہر ماں کو بھی ہنسی آگئی۔ تو بیوی ایسا اللہ امین کا بیٹہ جب ماں مرگئی ہو
 تو ڈپٹی صاحب نے سگی سالی نصیرہ سبگیر سے نکاح کیا اور اور یہ سمجھ کر کہ حقیقی خالہ ہے
 اس سے اچھی پرورش بھانجے کی کون کرے گا۔ میکہ بھی نصیرہ کا کچھ ایسا کھاتا پیتا تھا۔
 باپ تو تھے ہی نہیں۔ ایک ماں موجود تھیں یا دو چھوٹے چھوٹے بھائی۔ مگر خدا اس
 بیٹی کو کر وٹ کر وٹ جنت نصیب کرے۔ جب تک جی ایسا میکہ کا بھرا بھرا کہ
 واہ واہ۔ اسی نصیرہ کو کوراہنے میں اتنا دیا ہے کہ باپ بھی ہوتا تو ایسا عیش نہ کرواتا
 کھانے میں کھانا۔ کپڑے میں کپڑا۔ چیز میں چیز۔ سبست میں سبست اس مرنے والی کو
 حلق سے بغیر اس بہن کے کوئی چیز ہی نہیں اترتی تھی۔ ہم تو دونوں وقت ہی دیکھتے
 تھے کہ بھرے ہوئے خوان چلے آ رہے ہیں۔ الغاروں کپڑا۔ منوں اناج۔ سیروں گھی۔
 ریشمی تھان ثابت ثابت چکن کے دوپٹے۔ کورے کورے ٹپٹے اور مصالحے جو ہے
 وہ بہن کو۔ ذاکرہ کی زندگی تک تو بی نصیرہ کا یہ حال رہا کہ بھانجے کی پروا نہ تھیں
 ایک دن وہ نہ آتا تو دیوانوں کی طرح پھرتیں۔ مگر نکاح کا ہونا تھا کہ بھانجہ زمین معلوم
 ہونے لگا۔ اور اپنے ہاں تو بیچہ کیا ہونا تھا کہ ظالم اس بد نصیب کی جانی دشمن ہوگئی
 لاکھ باپ فریفتہ تھا مگر ہر وقت کا لگانا اور کسانا۔ ایسی نفرت ہوئی کہ بات بھی نہ پوچھتا
 ہر وقت اس کا بیچہ صاحب تھا اور اس۔ جہینوں آٹھ اٹھا کر بھی ساجد کو نہ دیکھتا
 سچ یہ ہے کہ یہ کاشا شروع ہی سے نصیرہ کے دل میں کھٹک رہا تھا اور اسی

فکر میں تھی کسی طرح اس کا خاتمہ کروں۔ مگر موت نہ تو ڈپٹی صاحب کے ہاتھ میں تھی نہ نصیرہ کے۔ ہاں اتنا اس نے کر دیا کہ اگر کبھی سلجبد نظر بھی آتا تھا تو باپ کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر غن اتر آتا۔ بن ماں کے بچوں کی ظالم سوتیلی ماؤں کے ہاتھوں جو گت بنتی ہے وہ ظاہر ہے مگر سلجبد بد نصیب کا پتہ راخاہ کی بدولت ایسا ہوا کہ خدا دشمن کے بچوں کا بھی ایسا نہ کرے۔

ماجد کے پیچھے پڑانے کپڑے گٹھی گٹھانی جوئی میلی کچلی ٹوپی۔ بچا بچا کھانا اس غریب کو ملتا۔ اور دن بھر اس کے پیچھے غلاموں کی طرح ”چھوٹے میاں چھوٹی میاں کہتے پھرتا۔ اتنی مجال نہ تھی کہ نصیرہ کو خاہ کہہ سکتا۔ بیگم صاحبہ کہہ کر پکارتا اور وہ سنگ دل خوش ہوتی۔ سلجبد کے نواڑی کھٹولے تین تین موجود تھے۔ مگر وہ مصیبت زدہ ایک جھنجکے پر پڑتا اور رات ٹیر کرتا۔ ماجد کے بعد سوتا اور پہلے اٹھتا۔ اگر اس کی آنکھ نہ کھلتی تو جاڑے کے دنوں میں شقی القلب ٹھنڈے پانی کا کٹورا اوپر سے ڈال دیتی عیدیں اور تبرع عیدیں آتیں، اور جاتیں۔ شادیاں اور بیاہ رچتے اور گزرتے۔ لیکن بن ماں کے بچے کو کوئی دو پیسہ کی بوٹی لاکڑی نہ لائی نہ تھا سیڑگوں روپیہ کا سودا گھر میں آتا مگر خاہ کے ڈر کے مارے وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ میاں بیوی اور ماجد اندر کے دالان میں بیٹھتے اور سا سلجبد باہر بیٹھا اپنی تقدیر پر روتا۔ خدا ایسے باپ کو دوزخ میں بھی چین نہ دے۔ چھ برس کا بچہ سالن کی پتیلی باورچی خانہ سے لاتا اور وہ دیکھتا۔ سا سلجبد بے گناہ بے قصور اس کے تھپڑ لگاتا۔ ہید مارتا اور باپ ہنستا۔ نصیرہ میاں کے سامنے محض اتنی سی بات پر کہ اُس نے لوٹا بھرنے میں دیر کی چٹکیاں لیتی۔ طمانچہ مارتی اور اس کو خیال نہ ہوتا۔ دو سال کے قریب سا سلجبد کی زندگی اسی طرح گزری اور سا سلجبد کی خنتوں کی شادی ٹھیری۔ تیاریاں دھوم دھام سے ہوئیں ڈھانی نہرا روپیہ کا کپڑا آیا۔ مگر سا سلجبد بد نصیب کی تقدیر میں

ایک پیسہ کا نہ تھا۔ اس کو اتنا بھی حکم نہ تھا کہ وہ کپڑا دیکھتے وقت وہاں کھڑا ہو جائے۔ مگر بیچہ تھا وہاں جا کھڑا ہوا۔ صاحب کے کپڑے دیکھ دیکھ کر ماں اور باپ دونوں باغ باغ ہو رہے تھے اور صاحب ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ دو دفعہ نصیرہ نے اس کو گھورا کہ وہ چلا جائے مگر کم بخت نہ سمجھ سکا۔ نصیرہ کو ناگوار تو بہت ہوا مگر اپنے ہاتھ سے مزادینی مناسب نہ سمجھی اور اس تا کہ ہیں رہی کہ باپ سے پٹاؤں۔ عین چھٹی کے روز جب تمام گھر میں جھاڑ فالوس رکھے ہوئے تھے صاحب نے کسی بات پر ماں کو بگڑ کر جھاڑ میں لکڑی مار دی۔ شیشہ کا جھاڑ چیر ہی کیا تھی۔ چھن سے ٹوٹ گیا۔ ماں نے ہے کہہ کر اٹھی مگر وہ ہنستا ہوا بھاگ گیا۔ گھنٹہ ڈیرہ گھنٹہ بعد ڈپٹی صاحب نے آکر دیکھا کہ جھاڑ ٹوٹا پڑا ہے۔ ڈیرہ سوروپے کا جھاڑ کچھ کم نہ تھا۔ بہت رنجیدہ ہوئے بیوی سے پوچھا "اس پر کیا مصیبت پڑی؟"

نصیرہ "کیا بتاؤں مجھ ہی سے ٹوٹا ہے،"

میاں "آخر بتاؤ تو ہی بتانے میں کیا حرج ہے۔ کیا تم بیچہ ہو جو تم سے

ٹوٹ گیا؟"

نصیرہ "میرے سر کی قسم کھاؤ کچھ نہ کہو گے؟"

میاں "میاں اچھا تم بتاؤ تو ہی؟"

نصیرہ "کیا بتاؤں میں تو اسی واسطے تم سے کچھ کہتی نہیں کہ میرا نام بڑا نام

نہ ہو پہلے ہی سب نے مجھ کو نکو بنا رکھا ہے۔ صاحب نے لکڑی ماری۔ مارتا بیچہ کو

تھا۔ اللہ کی قسم مجھے تو خبر بھی نہیں کہ روٹی کا دسترخوان کہاں رکھا ہے۔ وہ تو تیرے

اچھٹی ہوئی لگی۔ تقدیر کا خون بہنا تھا بہہ گیا۔ مگر جھاڑ کی قصدا آئی تھی وہ ٹوٹ گیا؟"

جھاڑ تو خیر ٹوٹا ہی تھا۔ صاحب کی یہ تہمت کہ جیتی بیتی پر لکڑی اٹھائے۔ یا

اور خون بہائے عصۃ میں دیوانے ہو کر ڈپٹی صاحب آٹھے تو مکار خالہ نے ہزاروں تیر

اپنے سر کی دیں۔ جانتی تھی کہ داؤں پورا ہو گیا اب کیا کسر رہی۔ وہی ہوا اٹھے۔ انگٹائی میں ساجد بے خبر بیٹھا اپنے پیٹے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ بے دردی سے بازو پھڑکراتے مارا جتنا مار سکتے تھے۔ اور شہر سے باہر لاکر چھوڑ گئے۔

رات بد نصیب بچہ کو آغوش میں لینے کے لئے اس کے سر پر آئی بتا رہے اس کی نصیبی پر روتے۔ چاند نے اس کی حالت زار پر آنسو گرا دیے۔ ہوا نے شفقت بھرے منہ سے اس کا منہ چوما اور چاندنی بن بن کے بچہ پر محبت کا ہاتھ پھیرتی رہی۔ ساجد مصیبت کا مارا چاروں طرف دیکھا مگر آدمی کی آواز نہ تھی۔ نہ سانس کی۔ معصوم روح کا بچی اور ننھا سادل لرزا۔ آگے بڑھا اور ٹھٹھا جس طرف جاتا تھا بیکسی اس کے ساتھ تھی ننھا سادل ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ قدرت کی تمام کائنات سنگ دل انسان اور جفا کار نصیر کا پرہیز کرتی ہوئی خاموش ہو گئی چاند چھپ گیا تارے ماند ہوئے اور ہوا ساکت رہ گئی۔ آسمان نے کڑوٹ بدلی۔ بادل معصوم کی بے گناہی پر رونے لگے، اور آدمی رات کے سنان وقت میں جب نورشو کی بارش ہو رہی تھی اور بن ماں کا چھ برس کا معصوم جھل بیابان میں تن تنہا بیٹھا ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ ایک سانپ نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

یہ وہ وقت تھا جب نصیر کا بیگم کا گھر مہانوں سے کچا کچھ بھر رہا تھا۔ میرا سینا لہک لہک کر رہی تھیں۔ نصیر کا دن بھر کی تھکی ہاری دودن کی جاگی اس خیال سے کہ ذرا کمر سیدھی کر لوں اپنے پیٹ پر جا کر بیٹی۔ بیٹے ہی سامنے کی دیوار پر ایک روشنی میں ایک انسانی صورت دیکھی۔ گھبرا کر اٹھی۔ ڈری اور پوچھا۔ "کون؟"

روشنی۔ "میں تیری حقیقی بہن ڈاکٹر بد نصیب کی روح ہوں۔ اور منظور معصوم ساجد کی ماں۔ تجھ کو یہ عیش کی کھڑیاں مبارک۔ تیرے لال کے کھیرے بیس۔ تیرا سہاگ ہمیشہ قائم رہے تو دودوں نہائے پوتوں پھلے۔ مگر نصیر کا میری محبت اور

خدمت اس کی مستحق نہ تھی جو تو نے میرے لال کے ساتھ کیا! تو بیگم ہے۔ اس گھر کی مالک ہے مجھے تجھ سے کچھ کہنے کا حق نہیں۔ میں اپنی زندگی پوری اور اپنی دنیا طے کر چکی۔ میرا نمونہ تیرے سامنے ہے۔ میں ہمیشہ مظلوموں سے ڈری۔ محترم معوں سے جھجکی۔ یتیموں سے رملی۔ راندوں سے جلی۔ غرض میری زندگی کا مقصد صرف بندگانِ خدا کی خدمت اور حاجتمندوں کی اعانت رہا۔ پھر بھی خدا خوف خدا سے کا پنی اور موت سے لرزی۔ میرے پاس معفرت کا کوئی سامان نہ تھا۔ دوزخ کے شرار سے اور آگ کی لپٹیں مجھے بھٹکنے کو تیار تھیں۔ قبر اپنا ہولناک منہ کھولے مجھے نگلنے کو موجود تھی۔ تم سب عزیزوں نے مجھے نہلا دھلا کر رخصت کیا اور میری تمام محنت ختم کر دی۔ مردوں نے مجھے سپردِ زین کیا اور اپنا منہ موڑا۔ بڑا نازک وقت تھا۔ میں تھی اور عمر گزشتہ کے ہر فعل کی جواب دہی۔ ہر عمل کی باز پرس ہر کام کی ذمہ داری۔ ہر قول کی جانچ پڑتال۔ نمازیں دکھاوے کی تھیں۔ اکارت گئیں۔ روزے زہر دستی کے تھے بیکار نکلتے۔ ہاں اس آڑے وقت میں جب کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ کچھ یتیم لڑکے، کچھ معصوم بچے۔ ٹھوڑی سی لڑائیاں چند مظلوم۔ بعض محتاج جن کو آج دنیا حقارت سے دیکھتی اور نفرت سے رکھتی ہے۔ میری مدد کو دوڑے۔ یہ پاک روہیں عالم بالا میں راج کر رہی تھیں۔ ملک عدم میں ان کا سکہ چل رہا تھا اور اس جہان کی بادشاہی ان کے قبضہ میں تھی۔ یہاں یہ میرے دست نگر تھے وہاں میں ان کی محتاج۔ قادر و الجلال کی پاک ذات ان میں شامل تھی۔ انھوں نے میرے سلوک کا معاوضہ اور میرے رحم کا بدلہ دیا۔ دوزخ ان کے اثر سے خاک اور شعلے ان کے اشارے سے ٹھنڈے ہوئے قبر میرے واسطے گلزارِ اپنی اور میری گنہگار روح جنتِ الفردوس میں جا پہنچی۔ آج مجھے حکم ہوا تھا کہ میں آج نا پاک دنیا کی کیفیت دیکھوں اور اپنے پیارے ساجد کی روح کے استقبال کو آؤں میں نے جو کیفیت دیکھی بیان نہیں کر سکتی۔ آج تیرے بچے کی شادی ہے اور تو بیگم بنی

بیٹھی ہے۔ نوکر تیری مہوں پر حاضر۔ مائیں تیرے اشارے پر موجود اور مشہور تیرے ارشاد پر تیار ہے۔ لیکن بیوقوف بیگم خدا کی ایک مخلوق۔ ایک بھولا بھالا بچہ۔ بن ماں کا لال پوراش معصوم اور تجھ جیسی باختیار عورت کا مظلوم۔ تیرے چلتے سے باپ کے ہاتھوں جنگل میں باپ میں دم توڑ چکا۔ کیوں بیگم حقیقی باپ اور سگی خالہ یوں عیش کرے اور صاحب آدمی رات کے وقت سنان جنگل میں اس قیامت خیز بارش میں اکیلا پڑا ہوا دنیا کو الوداع کہے۔ تیرا بچہ اکیلا دالان سے باہر نہ نکلے اور میرا بچہ تیرے ہاتھوں زندگی کی آخری رات اس طرح بسر کرے تیرے دولہا کے واسطے یہ سینکڑوں آدمی موجود ہوں اور صاحب کے مُردے پر کوئی دوا انسو گرانے والا بھی نہ ہوا۔ دیکھ میرے ہاتھ میں تیرا اعمال نامہ ہے۔ جہاں مظالم کے سوا ایک بھی نیکی نہیں۔ ادھر دیکھ یہ موت تیرے واسطے مُنہ چیرے کھڑی ہے۔

نصیرؔ بیگم! جو ہونا تھا ہو گیا۔ صاحب کی روح جنت میں جا پہنچی۔ اب تیرا اس کا فیصلہ حاکم حقیقی کے سپرد ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جب دنیا تجھ جیسی ناشادو نامراد ظالم و مکار عورت کو اپنے سے جدا کر دے اور تو اس کا نتیجہ بھگتے۔ دیکھ یہ کیا ہے۔ نصیرؔ بہن کی اس تقریر سے تمہرے فہم کا چپ رہی تھی۔ گھگی بند گئی۔ آواز نکلتی نہ تھی ہاتھ پاؤں جنبش نہ کرتے تھے۔ البتہ آنکھیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ اب جو بہن کے کہنے سے نصیرؔ ادھر دیکھتی ہے تو ایک خطرناک یو جس کی پیشانی پر موت لکھا ہوا تھا منہ کھلے کھڑا تھا۔ ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئی۔ سارا گھر دوڑ پڑا۔ ہتیار بھونکی تو کچھ نہ تھا۔ وہ روح بھی نہ اس کی تقریر۔ دیو تھانہ اس کی تصویر۔

تو بیٹی سراجہ اس واقعہ سے میرا مطلب یہ ہے کہ بن ماں کے بچوں کو اپنے بچوں سے زیادہ سمجھنا اور یاد رکھنا کہ ان کی آہ عرش کا لگھوڑہ ہلا دیتی ہے۔

(۲۱)

سراپہ کو وداع کرنے کے بعد نسیمہ ہاجرہ کی تربیت پر متوجہ ہوئی۔ ایک روز آسمان پر ابر گھرا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیاں پڑ رہی تھیں کہ ہاجرہ نے بھاوج سے کہا: ”بھابی جان آج ٹوٹ کڑھائی کا دن ہے۔ سہال تلوائیے“

نسیمہ: ”اچھا ایک شرط پر۔ تم بتاؤ کہ عینہ کیونکر برستا ہے۔ بادل۔ پانی بجلی۔ کڑک چمک کیا چیز ہیں۔ تو میں ابھی کڑھائی کا سامان کر دیتی ہوں۔“

ہاجرہ: ”مجھے تو بھابی جان معلوم نہیں نہ آپ نے کبھی بتایا۔ میں تو اتنا جانتی ہوں کہ بادلوں سے مینہ برستا ہے۔ انہی میں سے بجلی گرتی ہے۔ آپ ایک دفعہ سمجھا دیجیئے۔ پھر میں یاد رکھوں گی۔“

نسیمہ: ”واہ بی ہاجرہ یہ بھی نہیں معلوم! اچھا پہلے جو بتاؤں اُس کو سمجھ کر سمجھا دو۔ پھر کڑھائی سو دفعہ لو۔“

ہاجرہ: ”فرمائیے۔“

نسیمہ: ”اچھا یہ تم جانتی ہو کہ پانی میں سے بھاپ نکلتی ہے یہ بھی چوٹیں پڑتی ہیں سنے نکلتی دیکھی ہوگی۔ وہ کیوں نکلتی ہے۔ گرمی کی وجہ سے۔ تو یہ بھاپ سمندروں میں سے بلکہ ہر گیلی چیز سے گرمی پنچ کر نکلتی ہے۔ سب سے زیادہ سمندروں سے نکلتی ہے کیونکہ دنیا میں پانی سب سے زیادہ ہے غرض سمندروں دریاؤں اور گیلی چیزوں سے بھاپ نکل کر اوپر گئی۔ یہ بھاپ دھکتی ہو۔ کتنی ہلکی ہوتی ہے۔ ہلکی ہونے کی وجہ سے ہوا اوپر بجاتی ہے۔ اس بھاپ کا نام ”بادل“ ہے۔ جو آفتاب کے عکس سے ہم کو رنگ برنگ دکھائی دیتے ہیں۔ اب یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ اوپر سردی یہاں سے زیادہ ہوتی ہے بادل اوپر پہنچے تو وہاں ان کو خشکی ملی اور اس خشکی پانے سے وہ برسنے شروع ہوئے جب خشکی بہت زیادہ ہوتی ہے تو بھاپ جم گئی اور اس جہی ہوئی

چیز کا نام ”اولا“ ہے جو بانی کے ساتھ ہے۔ جاڑوں میں تم نے دیکھا ہو گا کہ صبح کے وقت تمام آسمان پر گہر ہوتا ہے یہ بھی وہی بھاپ ہے اتنا تو تم اچھی طرح سمجھ گئیں کہ مینہ اور بادل، اولاً کیا چیز ہے۔“

ہا جمرہ۔ ”جی ہاں۔ یہ تو خوب اچھی طرح سمجھ میں آگیا۔“

نیسیمہ۔ ”اچھا اب آگے چلو۔ کچلی کیا چیز ہے۔ یہ تم کو میں پہلے بتا چکی ہوں کہ دو چیزوں کے رگڑنے سے چمکارا پیدا ہوتا ہے۔ ہزاروں دفعہ تم نے دیکھا ہو گا دو پتھر رگڑے ان سے کچھ چمک پیدا ہوئی۔ یہ اصل میں گرمی ہوتی ہے جو ہر چیز میں ہے۔ برف تک میں ہے تو بادلوں میں جو گرمی ہوتی ہے اس کا نام ”بجلی“ ہے تم نے سنگ مقناطیس دیکھا ہے۔ اس کی طرف لو ہا کھینچا کرتا ہے۔ اسی طرح اگر دو چیزیں، کم گرمی اور زیادہ گرمی کی برابر رکھو تو زیادہ گرمی سے گرمی کل کم گرمی میں آ جائے گی۔ پس بادلوں میں وہ گرمی جب ایک سے کل کر دوسرے میں جاتی ہے اس کا نام ”کڑکسا“ ہے جب بادل زمین کے قریب ہو یوں نزدیکی کی وجہ سے زمین اس گرمی کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اسی کا نام کچلی کرنا ہے۔“

ہا جمرہ۔ ”بھائی جان! بادلوں کو کس کر تو اچھٹھا سا معلوم ہوتا ہے۔ پہلے تو میں کچھ اور ہی سمجھ رہی تھی۔“

نیسیمہ۔ ”تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ زمین جو اتنی بڑی ہے۔ سورج سے چھوٹی ہے اور تارے جو اتنے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی زمین سے بڑے ہیں۔ آفتاب ہم سے پورے پانچ کروڑ کوس دور ہے۔ چاند زمین سے چھوٹا ہے اور ایک لاکھ بیس ہزار کوس دور ہے۔ آفتاب تو روشن ہے مگر چاند میں بالکل روشنی نہیں ہے۔ وہ صرف سورج کی روشنی پڑنے سے روشن ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض تارے بھی ہیں۔ یوں تو سب تارے ان میں چکرا رہے مگر بعض ان میں یہ نور نہیں اور جس طرح آفتاب کی شعاع سے زمین

چمکتی ہے۔ اسی طرح وہ بے نور تارے دھوپ پڑنے سے ہم کو چمکدار نظر آتے ہیں۔ ہم کو میں بتا چکی ہوں کہ زمین گول ہے سورج کے سامنے جس طرف سے ہوئی وہاں "دن" ہوا۔ دوسری طرف اندھیرا یعنی رات۔ دن کو چوتارے ہم کو چمکتے ہوئے نظر نہیں آتے اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب کی شعاعیں اتنی تیز اور روشن ہوتی ہیں کہ تارے بالکل مدہم ہو جاتے ہیں نہ وہ خود نظر آتے ہیں نہ ان کی روشنی۔ ایک بات اور سن لو۔ قدرت کے اس تمام انتظام میں ایک چیز "کشش" بھی ہے۔ زمین ہر چیز جس طرح اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کیونکہ جو چیز ہم ادھر سے پھینک دو نیچے گرے گی یا اچھا لو تو نیچے آئے گی۔ اسی طرح یہ چاند تارے سورج سب آپس میں ایک دوسرے کو کھینچ رہے ہیں۔ زمین سمیت گیارہ ستارے ہیں جو آفتاب کے گرد گھومنا کرتے ہیں۔ زمین ایک گھنٹہ میں اٹھاون ہزار میل کے قریب چکر کر جاتی ہے تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ستاروں میں دنیا بسی ہوئی ہے۔ پہاڑ وہاں ہیں۔ بادل وہاں ہیں۔ برف وہاں، ہوا وہاں، یہ بھی سن لو کہ جب سورج اور چاند کے بیچ میں زمین گھومتی ہے تو "چاند گہن" ہوتا ہے اور جب سورج اور زمین میں چاند آ پڑے گا تو "سورج گرہن" ہو جائے گا۔

اتنا تو تم کو معلوم ہے کہ ہلکی چیز اور پر جلدی آ جاتی ہے۔ اگر کسی برتن میں تیل اور پانی ہو تو اس لئے کہ تیل ہلکا ہوتا ہے اور پانی بھاری تیل تیر کر پانی کے اوپر آ جائیگا۔ اگر کسی برتن میں پھونس بھرا ہوا ہو اور اس میں پانی ڈالو تو پانی کے اوپر پھونس کے تنکے تیل کی طرح تیرنے لگیں گے کہ وہ پانی سے ہلکے ہیں۔ لکنا کوے یا پتنگ کو دیکھو کس طرح ہوا میں اڑتا ہے مگر حساب کرو تو معلوم ہو کہ اس کا غز نے کتنی ہوا کو گھرا۔ غرض جتنی ٹھس چیز ہوگی۔ اسی قدر اس پر کشش کا اثر زیادہ ہوگا۔ اگر پتنگ کو ہوا میں اڑا کر چھوڑ دو تو کچھ دیر بعد وہ بھی نیچے گرے گی لیکن بھاری چیز جلد آ پڑتی ہے۔ کیونکہ اس پر کشش کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ ہوا میں بھی وزن ہوتا ہے۔ ظاہر میں چاہے

معلوم ہو لیکن غور کرنے سے پتہ چلا ہے کہ ایک روپیہ بھر جگہ میں کچھ نہیں تو پانسیر ہو اتو ہوگی۔

اچھا یہ سب کو متناطیس کو نوٹم نے دیکھا ہوا اس میں یہ خاصیت ہے کہ لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی متناطیس لوہے کی ایک لمبی سی بنا لے تو اس کا ایک حصہ شمال کی طرف اور ایک جنوب کی طرف رہے گا۔ یہی کیفیت ”قبلہ نما“ کی ہے۔ اگر رات بے رات کو خشک میں۔ پہاڑ پر۔ چاہے کسی جگہ پر ہو۔ سمت معلوم کرنے کی ضرورت ہو۔ تو اس سے فوراً معلوم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا رخ ہمیشہ قبلہ کی طرف رہے گا۔

یہ بہت موٹی موٹی باتیں ہیں جو میں نے اس وقت تم کو بتائیں۔ آؤ لگے ہاتھوں تم کو کچھ مختصر سی کیفیت ”رنگوں“ کی بھی بتا دوں۔ دنیا سمجھتی ہے کہ میسوں رنگ ہیں۔ لیکن حقیقت میں رنگ صرف تین ہیں۔ سرخ۔ زرد اور نیلا۔ باقی جتنے بھی رنگ ہیں سب ان ہی تین رنگوں سے بنتے ہیں اور سب رنگ مل کر سفید رنگ بنتا ہے۔ تم نے برسات کے دنوں میں آسمان پر کمان جو نکلی دیکھی ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کی بہت چھوٹی چھوٹی بوندیں رہ جاتی ہیں جہاں سورج سامنے آیا اور اس کی شعاع ان بوندوں میں رنگین دکھائی دینے لگی۔

ایک بات اور بتاتی ہوں۔ یہ تو بارہا دیکھا ہو گا کہ ہم گاڑی یا ریل میں بیٹھ کر جا رہے ہیں اور باہر گردن نکال کر جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ زمین بے تنہا شا بھاگی چلی جا رہی ہے۔ لیکن اصل میں زمین نہیں بھاگتی بلکہ ہم خود گاڑی یا ریل میں بھاگے جاتے ہیں۔ اور بھاگتی زمین معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کبھی چاندنی رات میں بادل کے ٹکڑے آسمان پر ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چاند زور سے بھاگ رہا ہے۔ کبھی اس بادل سے نکلا اس بادل میں گیا کبھی اس میں سے نکلا اور میں گیا۔

لیکن یہ بھی وہی بات ہے۔ چاند تو بالکل نہیں صرف ہوا با دلوں کو اڑائے جاتی ہے۔
 کبھی چاند اُن میں چھپ جاتا ہے اور جب وہ آگے بڑھ جاتے ہیں تو کھل آتے ہیں۔
 لیکن ریل اور گاڑی کی طرح معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چاند چل رہا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔
 ہاجرہؓ: ”اچھا تو بھابی جان آپ نے جو کچھ فرمایا۔ سب مجھ سے حرف بحرف
 سن لیجئے۔ اور پھر کڑھائی کا سامان منگو ایسے“
 جب دھاجرہ نے تمام باتیں اچھی طرح سنا دیں تو اپنے قول کے بموجب
 نسیمہ نے کڑھائی تلوادی۔

(۲۲)

برسات کے دن تو تھتھے ہی۔ ہلکی ہلکی بوندیاں دن بھر پڑتی رہیں شام کو سویرے
 ہی سے نسیمہ نے پٹنگ اندر بچھوالئے۔ عشاء سے فارغ ہو کر دونوں نذر بھا و جس
 لیٹیں۔ تو نسیمہ نے کہا: ”بیٹی دھاجرہ! میں نے تم کو اس دن بتایا تھا کہ میوی ہونے
 کی حیثیت سے عورت ہیں کیا کیا عیوب ایسے ہوتے ہیں جو اس کو بدترین بیوی بنا دیں
 مگر وہ مصنون پورا نہ ہوا۔ اور کھارے بھابی صاحب آگئے اور میں ان کو کھانا دینے
 میں مصروف ہو گئی۔ ایک عیب عورت میں اس کی فضول خرچی بھی ایسا ہے جو اس
 کے واسطے سوعیبوں کا عیب اور ہزار ہائیوں کی بُرائی ہے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے
 ان بیویوں پر جو اپنے عیب سے باز نہیں آتیں اور فضول خرچی کو نہیں چھوڑتیں۔ وہ اگر
 خود روپیہ کمائیں تو اُن کو معلوم ہو کہ کس محنت اور مصیبت سے ایک پیسہ ہاتھ آتا ہے
 تم خود ہی غور کرو اور انصاف کرو کہ ایک مزدور جتنی بھرتی دھوپ میں لو کے گرم تھپڑ
 میں دن بھر سر پر ٹوکری ڈھو کر کوٹھے پر چڑھتا اور اترتا ہے۔ جب ہم اُس کو شام کے
 وقت چار آنے دکھاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ ہمارے شوہروں کو بھر بھر جھولی روپے
 دیتے ہیں وہ اُن سے کسی کچھ مشقت نہ لیتے ہوں گے۔ کوئی اپنا پیسہ مفت نہیں دیتا۔

مرد مرد ب برابر ہیں۔ کسی نے نوکری ڈھو کر کھائی گئی نے قلم چلا کر مفت نہ اُس کو کوئی دیگا نہ اس کو بیچارے مزدور کے واسطے تو اتنا آرام ہے کہ وہ مزدوری کے بعد رخصت ہوا تو بفکری کی عیند سو گیا۔ لیکن ہوا

جن کے رتبے میں سو اُن کو سوا مشکل ہے

بختی زیادہ تنخواہ اتنی زیادہ ذمہ داری۔ رات کو سوتے ہیں تو ڈر ہے کہ کہیں فلاں کا غنچہ چور نہ لیجائے صبح کے کھانے میں دیر ہوئی تو دل ہول رہا ہے کہ صاحب نہ آگئے ہوں۔ کیا ملازمت سے بدتر بھی کوئی پیشہ ہو سکتا ہے۔ جیسے تمھارے آگے یہ بخت نصیباً اسی طرح کلکٹر صاحب کے آگے تمھارے بھائی ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھ سے ایک دفعہ دیکھا ہے کہ غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے "حضور حضور" کہہ رہے تھے۔ جی میں خوش ہونے تحصیلدار سمجھ لیا ڈپٹی مگر اصلی کیفیت تو میری بٹی یہ ہے کہ نوکری کیا غلامی ہے۔ دس روپیہ زیادہ تنخواہ پانے والا بھی افسر ہے۔ جہاں اُس نے آواز دی اور جھٹ حاضر ہوئے۔ تمھاری ماما تو شاید ایک آدمہ مرتبہ ٹال جائے اور اگر زیادہ کہو سنو تو ٹکڑاؤ تو جواب دیدے کہ "بیوی اپنی نوکری طے کر رکھو۔ میرے ہاتھ پاؤں سلامت رہیں۔ نوکریاں میں بیگم ہاتھ بیچے ہیں کوئی ذات تھوڑی پیچی ہے" مگر ان مردوں بیچاروں کی ہرگز اتنی ہمت نہیں کہ اُف کر سکیں۔ خود میرے ابا جان پر یہ گدز چکی ہے کہ صاحب نے صبح ہی دورہ پر چلنے کا حکم دیا۔ رات کو چچی چان کا انتقال ہوا صبح ہی صاحب سے کہنے لگے۔ مگر آنکھوں نے خاک نہیں سنا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مردہ گھر میں بے گور کھن پڑا ہوا اور وہ نوکری کی وجہ سے روانہ ہوئے۔ صاحب ہریان تھا تھوڑی دُور جا کر کہا "اچھا تم اپنی چچی کو دفن کر دو۔ مگر یاد رکھو نوکری سے ان باتوں کا کوئی واسطہ نہیں تمھاری چچی مر گئیں تو ہم کو کیا۔ اُن کا کوئی احسان ہم پر نہیں جس کے بدلے آج ہم اُن سے ہمدردی کریں" سو میری جان اب سمجھ لو کہ نوکری کیسی چیز ہے اور یہ غریب مرد کس مصیبت سے اپنی تنخواہ

ہمارے سامنے لاکر رکھ دیتے ہیں۔ مگر میں تو پھر ہی کہوں گی کہ شاباش ہے ان بیویوں پر جو ایسے گاڑھے پسینے کی کمانی اور اس محنت و شفقت کی روزی کی قدر نہ کریں اور دیادہلی سے لٹا دیں۔ یہ ہرگز بیویاں کہلانے کی مستحق نہیں بلکہ دوست کے پردے میں دشمن یا بیوی کی حیثیت میں سوکن ہیں فضول خرچی ایسی ظالم چیز ہے جس کی بدولت ہزاروں خاندان برباد ہوئے اور اُس کی ذمہ دار زیادہ تر بیویاں تھیں۔ اسے ہے ہا کجرا جھگڑا اپنی ایک پہیلی کا واقعہ یاد آگیا خیال آتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ خدا دشمن کو بھی ایسی کم بخت بیوی نہ دے۔ یوں تو پڑھی لکھی صورتِ شکل کی اچھی سب صفیتں موجود تھیں مگر ایک فضول خرچی نے وہ گنت بنائی کہ الہی تو بہ!

میاں ماشا اللہ ڈیرہ سو روپے کے نوکر تھے اور فقط ڈیرہ سو ہی نہیں اد پر سے کچھ نہ کچھ مل جاتا مگر اتنے سیدھے کہ ایسا آدمی دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں۔ پہلی کی پہلی تنخواہ لانی اور بیوی کے ہاتھ میں دیدینی۔ بس اُن سے تنخواہ کا واسطہ فقط اتنی دیر رہتا کہ کچھری سے گھر تک لے آئے جو کھا نا بیوی نے آگے رکھ دیا وہ کھا لیا۔ جو کچھ اپنا دیا وہ پہن لیا۔ کبھی اللہ کے بندے نے اُلٹ کر بات پوچھی ہی نہیں۔ کھدی ٹمل ہوئی تو واہ واہ اور مونگ کی دال ہوئی تو سبحان اللہ بیوی بے ڈھنگی فضول خرچ تو ازلٰی تھیں۔ میاں کی اس غربت نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ جو چاہتیں وہ کرتیں جو جی میں آتا وہ اُٹھائیں۔ بچے گنتی میں تو چھ تھے مگر سب چھوٹے۔ کیا کہتے کیا سنتے۔ گھر کا ہڈ رابہ۔ ڈیرہ سو روپے کے تنخواہ دار کی بیوی۔ ہاتھ بیٹڑا نہ پاؤں پکیڑا۔ سونے کا تار نہ چاندی کا پھل۔ آرام طلبی کی کیفیت یہ کہ پلنگ پر چوچا جاوے۔ بچوں کے کپڑے چکڑے۔ مگر ماں باپ ایک اچھوٹے دو دو موجود۔ رات کو جاڑوں میں سکر کر پڑ گئے تو بلا سے مگر لحاف کے بدلے ایک روپے کی برت دن کو کھالی۔ زبان کا دھچکا رہ کہ کوئی سودے والا ہو نکلی میں سے خالی نہ جاسے۔ فقیروں کا گھر نہ دریں نہ چاندنی اٹوٹے ہار یکے

میل بجلی بٹھی بھٹائی دیا نو سی چادر۔ ذیلیوں کے بچے کرتے ٹوپی جو تہ نہ اچکن۔ کھلتے۔ جوتی۔
 لیری کرتے۔ جھیر جھیر ٹوپی بہر چند سارے ہی عزیزوں نے اس نیک بخت کو سمجھا کہ ماما میں
 الگ کر اور وہ مثل یاد رکھ۔ "لوٹدی بن کماٹے اور بیوی بن کھائے" گڑاٹھ کی ہندی کو آرام ملی
 کا ایسا چسکا پڑا کہ ہٹا بھی دو بھر ہو گیا۔ پانی تک بھی خود نہ پی تی تھی اور کہتی یہ بھی کہ کیا
 کروں مجھ سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کمزوری کی حد پہنچ گھڑی ہو تی ہوں تو سانس پھول جاتا
 ہے مگر سمجھنے کی بات ہے۔ تمام اعضا بے کار چھوڑ دیئے جائیں گے تو وہ آپ ہی رفتہ
 رفتہ معطل ہو جائیں گے۔

آمدنی ڈیڑھ سو اور خرچ پورا ڈھائی سو اور ایسا بے ڈھنگا کہ تو بہ بجلی لڑکھا فیس کے
 لئے رو رہا ہے وہ نہ دی۔ مگر مرغی بکوالی میاں کچہری چار سہے ہیں۔ پٹاری میں پانہیں
 لیکن ان کے پیچھے چار آنے کے کچا لو اور دہی ہڑے چٹ کر لئے۔ جب دیکھا کہ اس
 بھاگوں پر نہ کہنے کا اثر نہ سمجھانے کا نتیجہ تو سب خاموش ہو گئے وہ اللہ کی ہندی دن دوئی
 رات چوگنی ہوئی تھی۔ انجام یہ ہوا کہ اٹھارہ برس کی نوکری میں اللہ کی ہندی ساڑھے
 پانچڑا کی قرضدار ہو گئی اور بڑا یہ کہ میاں بد نصیب کو خاک خبر نہیں۔ وہ پچارے اگلے
 زمانے کے آدمی جن کو تقاضے سے نفرت۔ قرض سے وحشت ان کو کیا خبر کہ بیوی
 یہ گل کھلائے بیٹھی ہیں۔ بنا ہوا زمانہ تھا۔ سا کہ بندھی ہوئی تھی۔ دنیا جانتی تھی کہ مرشد دار
 کی بیوی ہے۔ روپیہ دو دو پتیا ہے۔ جو منگوایا آنکھ بند کر کے بھیج دیا۔ مگر جب میاں کی پٹن
 ہوئی اور کام دوسرے کے سپرد کر دیا تو وطن چلنے کی تیاری ہوئی۔ ایسے سیدھے اور سچے
 مسلمان پر ساری بستی جان چڑھتی تھی سلیکڑوں آدمیوں کا مجمع اسٹیشن پر پہنچانے کے وقت
 تھا۔ "اترا شہنا مر دک نام" ہنیوں کو اب کیا ضرورت تھی کہ مرڈت کرتے اور چپ رہتے۔
 عین اُس وقت جب ٹکٹ خرید رہے تھے بھولا بیٹے نے آکر کہا "سرکار تشریف
 لجا رہے ہیں میرا حساب صاف کرتے جا رہے"۔

بیچارے سررشتہ دار اس شان کے آدمی کے مقروض کے پڑوس میں رہنا بھی گناہ سمجھیں بالکل دنگ رہ گئے اور پوچھا۔ بھائی کیسا حساب ہے؟
 بنیاد "سرکار بتیں سو روپیہ ہے۔ کہا کہوں ذرا آج کل کام کاج ایسا ہی چل رہا ہے نہیں تو کچھ بات نہ مٹی؟

چپڑا اسی۔ (آگے بڑھ کر) حضور کے اسباب کی قرقی کا دارنٹا یہ میرے پاس اس کے دعوے کا ہے جو ارشاد ہودہ لقیل کروں؟

بیوی خوش خوش ٹیشن پر سے مٹھائی خرید رہی تھیں کہ میاں بد نصیب نے جاکر پوچھا۔ جواب گیارہ دے سکتی تھیں۔ روانگی کے واسطے بتیں روپے بھی نہ تھے۔ چپڑا اسی نے سارا اسباب اپنے قبضہ میں کیا۔ جو گٹھریاں ریل میں رکھ دی گئی تھیں وہ بھی اتر والیں۔

جس قدر آدمی سررشتہ دار صاحب کو پہنچانے آئے تھے اس حالت کو دیکھ کر رٹائے ہیں رہ گئے اور سمجھ گئے کہ ایک فضول خرچ بیوی کے ہاتھوں ایسے سیدھے اور عزت دار آدمی کی یہ بے عزتی ہوئی۔ سررشتہ دار صاحب کی آنکھ سے اس وقت انوکھل پڑے۔ بیوی سے صرف اتنا کہا۔ تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا مگر میری پسیدہ ڈاڑھی اب اس لائق نہیں کہ دنیا کو منہ دکھا سکوں، اتنا کہا اور سامنے سے کنوئیں میں جا کر دُوب مرے۔

ہلکے پیاری! خدا ایسی بد نصیب اور بیہودہ بیویوں سے سب کو بچائے۔ جن کی وجہ سے تمام خاندان بدنام ہوا اور جو باپ دادا کی عزت پر اتنا برا دھبہ لگا دیں بیٹی یاد رکھو کہ اس بخت فضول خرچی کے مرض سے ہمیشہ بچنا اور جو کچھ خدا دے اپنی تمام ضرورتیں اسی میں پوری کرنا۔

(۲۳)

محلہ میں ایک انجمن "خواتین اسلام" کے نام سے تقریباً دو سال سے کام کر رہی تھی اس کے سالانہ جلسہ میں شہید کی صدارت بخونیر ہوئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ میاں بیوی کے

تعلقات پر جس کی بحث سب سے بہتر ہوگی اُس کو ایک سونے کی گھڑی انعام دی جائیگی۔
زور شور سے تقریریں ہونیں اور دھوم دھام سے جلسہ ہوا۔ آخری روز جس دن جلسہ ختم تھا۔
تقریر صدارت تھی۔ نثار عشار کے بعد سلیمہ بیگم نے یہ تقریر کی۔

”ہینو اور بیٹی! مجھ کو تمہارے اس کامیاب جلسہ میں شریک ہونے سے جس قدر خوشی ہوئی میں اس کو بیان نہیں کر سکتی۔ میں تم سب کی ممنون ہوں کہ مجھ کو صدارت کی کرسی عنایت فرما کر میری قدر افزائی کی۔ ہینوں نے جس قابلیت سے شوہر بیوی کے تعلقات پر بحث کی ہے وہ یقیناً قائل داد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں جو کچھ اس وقت خرابی ہے اس کی ہر طرف میاں بیوی کے تعلقات کی کشیدگی ہے اور آئندہ کی تمام فلاح و بہبود کا انحصار اسی اصول پر ہے۔ بچے ماؤں کی گود میں پرورش پا کر ان ہی کی خوبو اختیار کرتے ہیں اور ماں باپوں کو طعنا جھگڑتا دیکھ کر ان کی عادت و اطوار سے سبق سیکھتے ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ جن میاں بیوی ہنس لوگ نہیں وہ صرف اپنی ہی زندگی برباد نہیں کر رہے بلکہ اپنے بچوں کی بھی مٹی پلید کر رہے ہیں خاندان اُن کے ہاتھوں تباہ ہوتے سڑتے اُن کے طفیل برباد ہوتی ہیں اور بڑوں کی تمام عزت و آبرو رکھ رکھاؤ محض ایک کشیدگی کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس کی اصل وجہ کو دیکھتے ہیں تو ہم کو سب سے پہلے ماں باپ کی ذمہ داری کو ٹوٹنا پڑتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب ہم بیٹیوں کو اُن کے فرائض پر متوجہ کریں تو اس غفلت کو قطعی اڑا دیں۔ جو والدین نے ان کے معاملہ میں برتی اور اسی غفلت سے وہ مرض پیدا ہوا جس کا علاج نہیں وہ بخار چڑھا جس کو شفا نہیں۔ وہ آفت آئی جس کا چارہ نہیں اور وہ مصیبت آئی جس سے چھٹکارا نہیں۔ یہ وہ غفلت ہے جو عام طور پر کی جا رہی ہے گو زمانہ کی ضروریات یا فطرت اس غفلت کا خاتمہ کر دے اور اکثر موقعوں پر اس کے برے برے نتیجے نہ پید ہوں

لیکن جہاں یٹس لگ گیا وہاں اس نے ایسی ایسی بڑیں کھوکھی کیں کہ تناور درخت اور
 عظیم اٹان شہتیر دیکھتے ہی دیکھتے دھم سے آپڑے۔ تم میں سے اکثر بیویاں ہیں بہت
 سی مائیں اور بھٹی بیٹیاں کو شش کرو کہ نقص دور ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ شادی کے
 کے وقت دنیا بھر کی چھان بین۔ ذات زماں۔ تعلیم و متول۔ شرافت۔ نجابت یہ وہ۔
 غرض سارے جہاں کے بکھیرے طے ہوتے ہیں۔ مگر دیکھنے کے قابل سب سے پہلی بات
 یہ ہے کہ لڑکے کا مزاج کس قسم کا ہے اور لڑکی کا کیسا۔ آیا دونوں کے مزاج میں کوئی ایسا
 زمین و آسمان کا فرق تو نہیں ہے جس کو کوئی طاقت موافق نہیں کر سکتی مثلاً لڑکا پردہ کا
 سخت پابند ہے۔ اس کی رائے میں پردہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ سوا اب اور پتی
 بھائی وغیرہ کے کسی کے سامنے نہ ہو جتنی کہ ماموں زاد۔ چھوٹی زاد بھائی سے بھی چھپے۔
 لڑکی کی تعلیم آج کل کے زمانہ کے موافق ایسی ہوئی کہ حلیوں اور لکچروں کی فائدے
 حاصل کرے شام کے وقت ہو انوری کو باہر جا سکے تازی ہوا کھائے۔ قدرت کی
 دلچسپیوں کو دیکھے۔ ظاہر ہے کہ میاں بیوی کا یہ اختلاف دور ہونا کس قدر مشکل اور
 سخت ہے بظاہر تو والدین بہت بڑے فرض سے ادا ہوئے۔ ہزاروں کا چڑھاوا
 آگیا۔ روپے کی بھی ریل پیل ہو گئی۔ مگر کیا یہ پیل منڈھے چڑھنے والی ہے والدین کو اپنی
 ذمہ داری پوری محسوس کر لینے کے بعد دنیا کے تمام کاروبار اب ان ہی دونوں
 میاں بیوی پر چھوڑ دیئے جائیں۔ اور اب یہ صرف بیوی کا فرض ہے کہ وہ
 شوہر کے دل میں محبت پیدا کرے یا نفرت میں یہ تو نہیں کہتی کہ عورت پر مرد کا بوجھ
 واجب ہے۔ کیونکہ ہمارا سچا مذہب جس نے ایک کو دوسرے کا لباس بنایا ایسا
 لغو نہیں ہو سکتا کہ ایک جگہ یہ کہنا اور دوسری جگہ برابر کے رشتہ میں عبد و معبود
 کا فرق بتانا۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کو منسوب کرتی
 ہوں۔ کیونکہ آپ نے کھلے ہوئے الفاظ میں فرما دیا ہے کہ عورتوں کی اہانت وہی

مرد کرتے جو کچھ میں ہیں یہ بھی جانتی ہوں کہ یورپ کے بعض ڈاکٹر تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مرد اور عورت کا دماغ قبولیت اور نشوونما کے اعتبار سے برابر ہے مگر یورپ کی عورتیں ہمارے سامنے موجود ہیں وہ تو اسے جہانی کے اعتبار سے یقیناً اپنے مردوں سے کمزور ہیں۔ اور ان کے برابر زحمت برداشت کرنے کے ناقابل اسی کو کلام ربانی نے قوَامُ مَوَدَّ سے تعبیر فرمایا ہے تو ظاہر ہو گیا کہ قدرت کا یہ انتظام اس طرح کیا گیا ہے کہ عورت زندگی کے بعض معاملات میں مرد کی اور مرد بعض معاملات میں عورت کا مقابل ہے۔ یہ کہنا کہ مرد حاکم ہے اور عورت محکوم ممکن ہے عورتوں کی کسر شان اور اسلام کی توہین ہو جو اختیار مرد کو دیئے گئے ہیں۔ اُن میں اس کی مرضی عورت کی مرضی سے مقدم ہے۔ ہمارے موجودہ تمدن میں ایک بیوی کی سربانی پر بہت سی باتوں کا دار و مدار ہے۔ بزرگوں کی عزت پر اس سے حرف آئے۔ خاندان کی آبرو پر اس سے جبر لگے۔ عزیز و اقارب اس سے نکلے ہوں۔ آئندہ کی نسلوں میں اس سے پانی مرے۔ اس لئے جب تک موجودہ تمدن ہی تبدیل نہ ہو اس کا بدلنا آسان بات نہیں ہے۔ نہایت ضروری ہے کہ بیوی جہاں تک ممکن ہو میاں کے رضا مندرکھنے کی کوشش کرے۔ بیویو! تم نے دیکھا ہوگا جنگلی ہرن جس کو انسان کے نام سے وحشت ہے پیار سے رام ہو جاتا ہے۔ کیسے کیسے پرند جو انسان کی آواز سے بھڑکیں۔ اس کے ہاتھوں پر بیٹھتے۔ اس کے گھروں میں رہتے ہیں اور اپنی سرلی تالوں سے اس کا دماغ تروتازہ کرتے ہیں۔ ایک مرد کا پال لینا جس میں قدرت نے ل جانے کا مادہ رکھا ہے کوئی بیڑھی کھیر نہیں۔ کوشش تمھاری ہے اور قدرت تم کو مدد دینے کے واسطے موجود۔ لواب ذوالقدر جنگ بہادر جن کو مرے ہوئے آج میں برسن سے زیادہ ہو گئے ہیں جن کی محل سرا اب بھی چھوٹی اماں کے مکان کو

تھوڑی دور کھڑی آسان سے باتیں کر رہی ہے۔ گواہ موجود نہیں ہیں۔ مگر ان کا نام شہر میں بچہ بچہ کی زبان پر موجود ہے۔ تم میں کوئی ایسا نہ ہو گا جس نے یہ نام نہ سنا ہو۔ میں چھوٹی سی مٹی جب اُن کی بڑی صاحبزادی قسرا امرا بیگم کا نکاح فریدیوں قدا بہادر سے ہوا۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو ہزاروں کی تو صرف آلتنازی ہی چھوڑی گئی ہوگی۔ کامل آٹھ دن محلہ بھر میں کھانا نہیں پکا۔ شادی کیا ایک رحمت تھی جس نے بہت سے محتاجوں کو کئی وقت کے خاتمے سے بچا دیا۔ ہم اکثر اُن کی خدمت میں جاتے اور اس تو خصوصاً ہر وقت وہیں رہتی تھی۔ کیونکہ وہ پھوپھی اماں کی سب سے عزیز شاگرد تھیں۔ مگر ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے سیدھے منہ میاں سے بات کی ہو۔ ایک روز میرے سامنے کا ذکر ہے نواب صاحب بیسیوں ہی تھان کپڑے کے لائے۔ اپنے ہاتھ سے کھول کھول کر اُن کے آگے رکھنے تقریض کرتے اور میوی کا منہ دیکھنے کہ شاید پسند آجائے مگر اُن کو تو سانپ سو لگے گیا کسی کو کھدی کہا۔ کسی کو موٹا کسی کو کٹنے کا کفن کسی کو ذلیل۔ خیال کرو کیسی لغو حرکت تھی۔ لہذا سب کے خلاف انسانیت سے دور عقل سے بعید۔ مگر وہ میوی سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ اُٹے پاؤں پھرنے کے غرض دود فغا لائے لیکن سلیم صاحب کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔ صبر کر کے بیٹھ گئے مگر محبت کا یہ حال تھا کہ ہر وقت اُن کا منہ تکتے۔ پان بھی مانگتے تو گر کر کرا کر جیسے کوئی بھیک مانگتا ہے۔ پھوپھی اماں نے ہزاروں کیا لاکھوں ہی دفعہ سمجھایا مگر ان پر اثر نہ ہوا کیسی حسرت نصیب زندگی تھی۔ نواب صاحب کئی کئی رات دن اکیلے بیٹھے رہتے اور میوی پر واہ نہ کرتیں۔ بیچاروں کا ایک مقدمہ کئی لاکھ روپے کا چل رہا تھا جو کچھ جمع پونجی تھی وہ کچھ لوگوں کی نذر ہو چکی تھی مگر مقدمہ تھا کہ کسی طرح ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ جب کچھ پاس نہ رہا تو انھوں نے دوپہر کے وقت نہایت عاجزی سے سلیم صاحب سے کہا۔ ”میرے پاس اب کچھ نہیں رہا مجھ کو

روپیہ بھی ختم ہو گیا۔ آپ دس ہزار روپے وکیل اور نگوارہ میں بناؤ گیا کروں۔
 اباجان سے منگوا دو۔ اگر میں زندہ رہا تو یہ قرض ادا کروں گا، بیگم صاحب نے جن آنکھوں
 سے نواب صاحب کو دیکھا وہ نگاہ مجھے اب تک یاد ہے۔ شرافت کا دریا ان کی آنکھوں
 میں لہریں لے رہا تھا اور محبت کے سچے موتی ان کی آنکھوں میں چمک رہے تھے
 اُنھ کو کٹھری میں گیش۔ زیور کا سند و فتحہ کھولا اور زیور بدن پر تھا اُن کا کر اس میں کھا۔
 ننگی سچی خٹس مگر کان ہاتھ ڈھانک کر باہر آئیں اور نواب صاحب سے کہا۔

”اباجان سے مانگنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو یہ موجود ہے“ نواب صاحب
 کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ بیگم صاحب وہاں سے اُٹھ گئیں۔ انھوں نے روکا بھی مگر
 نہ ٹھہریں۔ محبوب زیور لے کر چلے گئے۔ تقدیر کی بات مقدمہ ہاتھ سے جاتا رہا اور
 وہ وقت آگیا کہ گھر میں ضرورت آ پڑے تو نہ تکا نہ تھا۔ مجلس کا کرایہ بہت زیادہ چڑھ
 گیا تو مہاجن نے تقاضا کیا اور مقدمہ کی خبر سننے ہی لکھ دیا کہ خالی کر دیجئے۔ بڑے
 نواب صاحب و اماند سے ناخوش تھے جب سنا کہ بیٹی مجلس خالی کر رہی ہے تو کبلا بھیجا
 کہ تم یہاں چلی آؤ۔ بیگم صاحب باپ کے اس پیغام پر سنیں اور باپ کو بہت بہت
 آداب اور شکریہ کے بعد لکھ بھیجا کہ ”میرا ہاتھ ایک غیر شخص کے ہاتھ میں اس لئے دیا
 تھا کہ آج مصیبت میں اس کا ہاتھ جھٹک باپ کے پاس آئیں۔ مجھے یقین ہے
 کہ آپ کے در پر مجھے روٹی کی کمی نہیں۔ مگر کیا وہ کھانا مجھے زہر نہیں ہے۔ جو میں تنہا
 کھاؤں۔ وہ بھوکا سوئے۔ میں پیٹ بھروں۔ وہ زمین پر لیٹے ہیں پلنگ پر سوؤں۔
 عین میں اس کی شریک تھی مصیبت میں اس کی ساتھی ہوں گی۔ دریا کے کنارے
 جنگل میں ہماری جھونپڑی ہوگی۔ مگر وہ جنگل آپ کے محل سے بہتر اور سوسکے
 ٹکڑے آپ کے پلاؤ سے اچھے ہوں گے۔ یہو ہماری خدمت گزار سبہ ہمارا فرش۔
 پھل ہماری غذا، اور آپ چن چن ہمارا شربت ہو گا۔ میں اب اس شخص کی خدمت کروں گی۔

جو میری ہمدردی کا محتاج ہے جس کی دنیا مجھ سے وابستہ ہے اور جس کی زندگی مجھ سے متعلق ہے جس نے مدت العمر میری ناز برداری کی اور جس کی خدمت میری دین و دنیا دونوں سنوار دے گی۔ آپ کی فرمانبرداری ہوں اس کی خدمت گزار۔ آپ کی کینہ اس کی نگہ سار۔ مگر مجھے وہ وقت یاد ہے جب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے شہر بانو سے جا کر کہا۔ بانو تمام عزیز شہید ہو چکے اور آپ کو اثر سے سیراب ہو گئے۔ خدا کا واسطہ اپنے معصوم اصغر کو لیکر نکل جاؤ۔ تم والی سلطنت کی بھانجی ہو میرے ساتھ اپنی اور اس شیر خوار کی زندگی برباد نہ کرو۔ شہر بانو رو پڑیں اور امام سے عرض کیا۔

بھائی کی کچھ ہے فکر نہ ماکہ نہ پاپ کی

بیٹی ہوں بادشاہ کی لونڈی ہوں آپ کی

”آبا جان اٹھا رہے ہیں جس شخص نے راحت دی ہے اب اس سے کنارہ کشی شرط

شرافت نہیں۔

میں پہلے روز اس بھونپڑی میں پھوپھی اماں کے ساتھ گئی تھی جب بیگ صاحب پہنچی میں تو انھوں نے منڈھیا کو غچہ گلبن بنا دیا تھا۔ جنگلی پھول تو چاروں طرف گلدرت لگائے۔ خود کپڑے بدل کر ایسی ہشاش بشاش تھیں کہ میں نے تمام عمر ان کو ایسا دیکھا نہ سنا۔ شام کو جب نواب صاحب تھکے ہارے آئے میں تو انھوں نے دروازے ہی سے ان کا استقبال کیا۔ قلعی دایا پاری سے پان بنایا اور کہا۔ ”نواب صاحب یہ پیاری اٹھا رہے ہیں بعد آج مچلی ہے اور ہماری محبت کے ابتدائی دنوں کی پہل ہے۔ یہ چالوں میں میرے ساتھ تھی آج جنگلوں میں اس نے ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ وقت اس نے دیکھا تھا۔ یہ وقت بھی دیکھا۔ اس کا ہر ٹکڑا زردار اور ہر کونہ واقف کا رہے بیگم کی تقریر سے نواب صاحب کا دل بھرتا رہا۔ وہ باہر جا کر روئے اور جب تک زندہ رہے روتے رہے۔ صدمے نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ چار پائی سے لگ گئے

بیگم صاحب نے سمجھا نے میں کی نہیں کی۔ مگر بخار ایسا ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا کہ اٹھا
 مشکل ہو گیا۔ میری عمر زیادہ سے زیادہ اس وقت آٹھ برس کی ہوگی۔ پھوپھی اماں
 قریب قریب آخر دنوں میں روز جاتی تھیں۔ بیگم صاحب نے جو کچھ خدمت اس وقت
 شوہر کی کی اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ وہ خود اٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ اکیلی بیگم صاحب
 تھیں اور تمام بیمار داری ایک رات جب نواب صاحب کی حالت خراب ہوئی ہے
 تو ہم دونوں پھوپھی بھینبیاں وہاں گئے۔ بیگم صاحب اُن کے پاؤں دیا ہی تھیں جب
 رات زیادہ ہو گئی تو بارش شروع ہوئی۔ مینہ موسلا دھار برس رہا تھا اور ہوا فرائے
 بھر رہی تھی۔ نواب صاحب نے پانی مانگا۔ بیگم صاحب اُسی مینہ میں بھیگتی ہوئی لٹے میں
 پانی لینے گئیں۔ آتی تھیں کہ اولوں کی باٹھ نے محبت کی اس سچی تصویر کے پاؤں میں بکھیر
 کی زنجیر ڈالی۔ ایک درخت کے نیچے ٹھیکس، مگر خیال آتے ہی کہ پانی کو دیر نہ ہو جائے
 آگے بڑھیں او لے تڑاق تڑاق پڑ رہے تھے۔ کہ ایک بڑے او لے نے زنجی کیا۔ چوٹ
 کاری لگی۔ مگر اپنی لگی میں چلی آئیں۔ نواب صاحب کی حالت غیر تھی۔ پانی خلق سے آرا
 بھی نہیں اور وہ عالم بقا کو سدھار گئے۔ اُن کے مرتے ہی بیگم صاحب نے ایک چرخ ہاری۔
 فاختہ دنیا والوں کو نیم کے درخت پر بیٹھی پیغام صبح پہنچا رہی تھی کہ بیگم صاحب بھی اپنے
 شوہر سے جا ملیں۔ یہ دو قبریں چوڑے کے پاس محبت کی زندہ تصویریں اب تک
 موجود ہیں۔ بیویو! ہاتھ اٹھاؤ اور اُن کے واسطے دعا کرو۔

ملکت آسمانی پر راج کرنے والی پاک روح تو عالم بالا کو پروا نہ کر گئی۔ تیری
 یادگار تیرا جسد خاکی چھو ند زمین ہے۔ مگر چشم دنیا تیری ہستی میں رنگ برنگ کے راز
 دیکھ رہی ہے۔ خلوص کے سدا پہاڑ پھول تیری قبر پر مہک رہے ہیں۔ انسانیت
 کا سبزہ لہک رہا ہے۔ جہنم کی لہریں تیرا کلمہ پڑھ رہی ہیں۔ اور صبا تیرے مزار پر آفرین
 لے رہی ہے۔ چہرہ تیرا لہجہ کی پاک روح جنت تیرا مسکن ہے جیات ابدی

کے دریا تیرے پاؤں میں لوٹا رہے ہیں۔ اور شہت دوام کا زیور زیب تن ہے تو
اسلام کا سچا نمونہ اور عورتوں کی بہترین تصویر تھی۔ تو چلی گئی مگر تیرے کام اور تیرا نام
باقی ہے۔ زمانہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے مگر اس کی رفتار تیرے کارناموں کو بند کرے گی۔
تیری زندگی آسمانی دنیا پر فخر چہار دہم کی طرح چمکے گی۔ اور اس کے پھول
قیامت تک ایک عالم کو معطر کرتے رہیں گے۔ اے الغلین ہم کو بھی توفیق دے کہ
قبرِ ارا بیگم کا نمونہ بنیں اور میاں بیوی کے تعلقات میں یہ طفیل حبیب کہیم
اتنا ہی ثابت قدم اور ایسا ہی مستقل مزاج بنا۔ آمین یا رب الغلین

نیمہ کی اس تقریر نے حاضرین پر کچھ ایسا اثر کیا کہ سب کی سب اس کی گردیدہ گئیں
دن رات ڈولوں کا اتنا نیندہ چارہ نہتا وہ بھی لڑکیوں میں لڑکی اور بڑھئیوں میں بڑھائی جو
آج جس رنگ کی گفتگو کرنا اسی دھنگ سے ملتی۔ ایک پندرہویں دن میں اس کا سکہ تمام شہر
میں بیچہ گیا۔ بڑی بڑی خبریں، زمانہ دیکھے، عمریں برتے، اس سے مشورہ کرتیں۔ صلاہیں
لیتیں۔ اور خدا کی عنایت بھی کچھ ایسی شامل حال تھی کہ اس کی رائے تیرہ ہدف ہوئی۔

مذہبوں کے بگڑے بگڑے کام اس نے دم بھر میں سنوارے اور برسوں کی لڑائی
ہوئی گتھیاں چمکیوں میں سکھا دیں۔ اب کیا تھا آدمی سے زیادہ تنہا اس کا مرید ہو گیا۔ اچھے اچھے
اور بڑے بڑے خاندانوں کی عورتیں اس بات کی خواستگار کہ ہماری بیٹیوں پر نسیم پر چھالو اڑے
اور اس امر کی تمنی کہ ہماری سچیاں جو ہیں گھنٹوں میں دوچار گھنٹے تو اس کی صحبت میں رہیں۔ نسیم
اکل کھری تو کبھی بھی نہیں تھی۔ ہاں اس وقت اس کے دو بچوں کی ماں تھی۔ لڑکا دو سیم تو غیر
پانچویں برس میں تھا مگر لڑکی تسنیم گو دیں تھی گو اس کی تربیت ایسی نہ تھی کہ وہ دن رات ماں
ہی کی گود میں بیٹھی رہتی اور دنیا کے تمام کاموں سے خارج کر دیتی۔ مگر پھر بھی اس کے کام کے جو
اوقات مقرر تھے اس میں وہ کبھی فرق نہ لے دیتی۔ ایک بچی پر ہی کیا غصہ تھا۔ جو وقت جس کام
کے واسطے تھا وہ اسی میں اس کو پورا کرتی۔ اس کے اوقات کی تقسیم یہاں تک کہ ہم کو معلوم ہی اس طرح تھی۔

(۲۴)

جاڑوں میں وہ چھ بجے صبح کو اٹھتی۔ ماگو گھر میں ایک موجود رہتی تھی مگر اس لئے کہ
 بڑھیا بھونسنے لگی تھی وہ اس کو کبھی نہ جگاتی۔ اپنے ہاتھ سے پانی گرم کرتی۔ وضو کرتی اور وضو کے
 بعد تمام گھر کو جگا کر نماز میں مصروف ہو جاتی۔ نماز کے بعد آدھ گھنٹے قرآن مجید پڑھتی۔ بڑی بی
 اتنے چار تیار کرتیں، نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ چار دیتی اور آٹھ بجے باورچی خانہ میں پہنچ جاتی۔
 گوشت رات کا بکھرا ہوا ہوتا۔ ساڑھے نو بجے کھانا تیار کر لیتی اور دس بجے سے پہلے کھانے
 سے فرصت پالیتی۔ سب کھا چکے تو خود کھاتی اور ساڑھے دس بجے بچوں کو لے کر ملاقات
 کے کمرے میں چلی جاتی۔ ایک بجے تک یہاں رہتی۔ عورتوں سے ملتی۔ ہلکھڑا کوڑھاتی۔
 ٹھیک ایک بجے یہاں سے اٹھتی۔ اور دوسرے کمرے میں جا کر ڈاک دیکھتی۔ خط پڑھتی
 اور جواب لکھتی۔ دو بجے ظہر کی نماز کو کھڑی ہوتی اور ڈھائی بجے سے چار بجے تک سینے
 پر رونے میں مصروف ہوتی۔ چار بجتے ہی عصر پڑھ شام کے کھانے پر مستوجہ ہوتی اور مغرب
 تک وہاں رہتی۔ مغرب پڑھ لیتی تو اخبار لے کر بیٹھتی اور آٹھ بجے تک خود بھی پڑھتی اور
 لڑکیوں کو بھی سناتی۔ اسی اثناء میں کام کی بہت سی باتیں بچوں کو بتاتی جاتی۔ آٹھ بجے عشاء
 پڑھتی۔ دھیکہ پڑھتی۔ اور ساڑھے نو بجے دن بھر کا حساب لکھتی اور دیکھتی کہ آج کی آمدنی میں
 سے کس قدر صرف ہوا اور کیا محفوظ رہا۔ دس ساڑھے دس بجے سو جاتی۔

قسیم بقتہ بھر کی چھٹی آیا ہوا تھا جس روز چھٹی ختم ہوئی وہ شام کے چار بجے
 کی گاڑی سے جلنے والا تھا۔ ضرورت تھی یا نہ تھی مگر اس نے اپنے اوقات میں فرق نہ آنے
 دیا۔ البتہ ظہر سے فرصت پا کر اس کے واسطے کچھ کھانا تیار کر رہی تھی کہ نواب اعتماد الدلہ
 کی بیگم صاحبہ نے تشریف لائیں۔ میاں کے جانے میں صرف ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا بہت
 سی باتیں اس سے طے کرنی تھیں۔ ایک اہم معاملہ میں مشورہ کرنا تھا۔ روانگی کا انتظام
 کرنا تھا۔ بچھونے اسباب اور کھانا پینا سب چیزیں تیار کرنی تھیں۔ دیکھنی تھیں۔ غرض

سرکھانے کی فرصت نہ تھی۔ بیگم صاحبہ تشریف لائیں تو عجب ٹھاٹھ سے۔ ماماں ایک چھوڑتین تین ساتھ۔ باہر دو لوگ۔ ساٹھ برس کی عمر۔ سر پر لال چادر جوڑہ۔ سات گز پانچوں کا ڈھیلا پاجامہ۔ ماما ایک ادھر ایک ادھر۔ ایک کے ہاتھ میں خاقدان۔ ایک کے ہاتھ میں صراحی۔ اللہ رسول کی امان کے ہر ہر قدم پر نعرے۔ مگر بیگم صاحبہ کمرے میں آکر بیٹھیں تو آنکھیں کھل گئیں۔ پوتریوں کی امیرتیں کسی چیز کی کمی نہ تھی پر یہاں کا سامان ہی اور نقادہ ایرانی اور کاشانی قالین اور رومی و شانی محفل کے غالیچے تھے۔ تھے مگر جو کچھ تھا اس خوبصورتی سے آراستہ اور نفاست سے سجا ہوا کہ کمرہ منہ سے بول رہا تھا۔ دری۔ دری پر چاندنی۔ چاندنی پر قالین۔ قالینوں پر گدے۔ خوبصورت کرسیاں جہاں سلوٹ کا نام۔ تنکے کا پتہ نہیں۔ دیواروں پر نقشے۔ کانس پر نقویں۔ بیچ میں میز۔ میز پر قلم دوات۔ کاغذ۔ برابر میں الماری۔ الماری میں بیش قیمت خوبصورت کتابیں۔ سر پر دیوار گیری اس پر جھبہ لہزار۔ رومال رومال پر کلام اللہ۔

بیگم صاحبہ نے چاروں طرف بٹکا بٹکا نگاہیں دوڑائیں جیسا ناخفا اس سے زیادہ سکھرایا۔ مگر اضطراب کی کیفیت کہ دو منٹ میں چار نقاضے سنیں۔ بیگم کو بلانے کے لئے کئے گئے۔ سنیں لاکھ مصروف تھی مگر اتنی کج خلق اور ہیروت نہ تھی کہ بیگم صاحبہ سے ملنے بھی نہ آتی جس طرح ہو سکا آئی۔ سلام کیا اور بیٹھی۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا: ”میں آپ کے سلیقہ اور سہمی تقریف مدت سے سن رہی ہوں۔ کئی دن سے ارادہ کر رہی تھی کہ آپ سے ملوں اور آپ کو اپنے گھرے چلوں تاکہ میری لڑکیاں بھی آپ سے کچھ سیکھیں آج ذرا فرصت ہوئی تو چلی آئی۔ آپ میرے ساتھ چلیے۔ میری لڑکیاں آپ کی منتظر ہیں۔“

”نہیمہ۔“ میں آپ کی تشریف آوری کی بھید منوں ہوں۔“

بیگم صاحبہ: ”ہاں۔ مگر آپ جلدی چلیے۔ میری دونوں صاحبزادیاں راہ دیکھ رہی ہوں گی۔“ صاحبزادیوں کے کہنے پر بھا آجرا کو ہنسی آئی۔ مگر مسکرا کر چپ رہ گئی۔ نہیمہ

نے کچھ دیر سکوتا کے بعد کہا: میں آج مجبور ہوں میں اس وقت بھی صرف آپ کے پرمانے کی وجہ سے آگئی۔ ورنہ مجھے فرصت مطلق نہیں ہے۔ آج میرے شوہر باہر جا رہے ہیں۔ اور میں ان کے کاموں میں مصروف ہوں۔ اگر آپ مجھے پہلے سے اطلاع دیدیتیں تو بہت اچھا ہوتا میں یقیناً آپ کو آج تشریف لانے سے روکتی۔ اور آپ کو ہرگز زحمت نہ ہوتی۔“

بیگم صاحبہ اطلاع کو خاک جانیں، وہ اتنا سنتے ہی سناٹے میں رہ گئیں۔ پانچ روپے کی ٹھانی بیگم صاحبہ اپنے ہاتھ لائی تھیں۔ ماما نے سینی آگے رکھی نیمہ نے کہا: ”اس کی کوئی ضرورت نہیں“۔ بیگم صاحبہ: ”میں صرف بچوں کے لئے لائی ہوں۔“

نیمہ: ”بچے آپ کی دعا سے جب ان کا دل مٹھاس کو چاہتا ہے کھاتے ہیں۔ یہ ہمارے شہر کی ایک فضول چال ہے اور اس کے معنی دوسرے کی توہین ہیں خیال تو فرمائیے اس مٹھانی کی ضرورت کیا اور میں اس کو کیوں لوں۔ ممکن ہے میری مالی حالت اس قابل نہ ہو کہ میں اتنی مٹھانی جب آپ سے ملنے آؤں اپنے ساتھ لاسکوں۔ یا اس وقت آپ کی خاطر اس مٹھانی کے قابل کرسکوں، تو مجھ کو اپنے دل میں کیسی ندامت ہوگی۔“ اب تو بیگم صاحبہ بالکل ہی جاتی رہیں۔ نیمہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی کہ گاڑی کے جانے میں صرف چالیس منٹ باقی ہیں معاف کیجئے گا۔“

بیگم صاحبہ اپنے دل میں برا بھلا کہتی سیدھی سہنجید کے ہاں پہنچیں اور دل کی بھر اس خوب نکالی جب بیگم صاحبہ کہہ چکیں تو سہنجید نے کہا: ”آپ نے نسبہ کا صحیح اندازہ نہ کیا۔ اس نے جو کچھ کہا وہ حق بجانب تھی۔ غلطی آپ کی بغیر اطلاع، آپ ڈولی چڑھ، جادوئیں، جان نہ پہچان بڑی خال سلام، آخر وہ بچوں کی ماں اور میاں کی بیوی ہے اس کے ساتھ بھی دنیا بھر کی ضرورتیں ہیں۔ کیا آپ کی رائے میں وہ اپنے تمام کام چھوڑ چھاڑ آپ کے پاس آ بیٹھتی۔ میاں کے کام نہ کرتی۔ بیگم صاحبہ ذرا انصاف کیجئے غلطی آپ کی ہے اگر آپ کو جانا تھا پہلے پوچھو لیا ہوتا کہ فرصت ہے یا نہیں۔ وہ آ نہ جی جائے

یادینہ ایک بجے تک سب ہی سے ملتی ہے۔ چاہے عیسیٰ بھی ضرورت کیوں نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ بیمار بھی ہوتی ہے تو ملاقات کے کمرے میں جا پڑتی ہے۔ آپ یا تو اس کے وقت پر جاؤ یا دریافت کر لیتیں۔

بیگم صاحبہ: ”اچھا تو بوا مٹھائی کیوں واپس کر دی۔ اس میں کیا قباحت ہے؟“
سنجیدہ: ”اس کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی یہ بھی اس نے بے جا نہ کیا۔ آپ صرف ملنے گئی تھیں یا احسان دھرنے۔ وہ آپ کی مٹھائی ملا دہ کیوں لے نہتی۔“

سنجیدہ بیگم صاحب کے ساتھ کی کھیلی ہوئی تھی۔ خوب آڑے ہاتھوں لیا اور شام کو چلتے وقت یہ کہلا لیا کہ ”ہاں بی مجھ سے غلطی ہوئی اور آئندہ ایک وہاں کیا کہیں بھی بغیر اطلاع کے نہ جاؤں گی۔“

(۲۵)

سراچہ مزاج کی تیز توسداری کی تھی وہ تو کچھ سنسیم کا فیض صحبت تھا کچھ مجبوری ماں کو آئی موت۔ باپ سر پر رہا نہیں۔ لے دے کر ناز بردار تھی تو سر پرست تھی تو ایک بھابھو۔ اس کا اصول یہ ہمیشہ سونے کا نوالہ کھلایا اور شیر کی نظر دیکھا۔ جو لپکے پڑکے تھے وہ سب دب گئے اور جو عادتیں پیدا ہو چکیں تھیں وہ چھوٹیں تو کیا خاک مگر یاں کم ہو گئیں۔ افتاد جو شروع سے پڑی تھی وہ سنسیم کے مشائے بھی نہ مٹ سکی۔ کوار پتے تک شتم پشیم گذرے گئے۔ مگر شادی کے بعد وہ بیچ پھل لے آئے۔ سانس نندوں کا شکوہ۔

دیورانی جھانی کی شکایت۔ دوسرے ہی دن سے شروع ہو گئی۔ جو کہیں سنسیم بیوقوف ماؤں کی طرح حمایت کو کھڑی ہو جاتی تو شاید پسند رہے ہی دن میں سراچہ کو لے سے لگتی مگر وہ حلیوں کے تمام دفتر پڑھتی اور جلا دیتی۔ اس کا اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ سراچہ میکے حمایت سے قطعی ناامید ہو گئی اور جب ادھر کا بل بوتہ نہ رہا تو اچھی طرح سمجھ گئی کہ سسرال سے جاتی ہوں تو بیٹھے کو ٹھکلی نصیب نہ ہوگی۔ لیکن وہ خوب جو سرشت میں بیٹھ چکی تھی کہاں

جاتی اور جو خیالات راسخ ہو چکے تھے کہ ہر غارت ہوتے۔ شوہر نے اپنی طرف سے ولداری میں کمی نہ کی۔ پوری عمر کا آدمی تجربہ کار۔ دو حاجو۔ مالدار۔ خوب سمجھاتا تھا کہ لڑکی سپہ۔ دل لگتے ہی لگے گا اور طبیعت بہت ہی بہتے بہتے گی۔ نہ تفریح کے منت سے اسباب فراہم اور راحت کی پوری کوششیں کرتا مگر وہ تنگ مزاج خاک خاطر میں نہ لاتی۔ خواہ مخواہ بچوں کو ڈانٹتا۔ بلاوجہ نوکروں کو گھر کٹا اس کا شہوہ تھا۔ بچے نا سمجھ تھے۔ چند روز میں ماں کو بھول گئے۔ اسی کو ماں سمجھتے اور ماں سمجھ کر بیٹے۔ حقل سے کام لیتی تو ان کو ہلا لیتا کوئی بڑا کام نہ تھا۔ مرے سے عمر بھر بچوں پر حکومت اور میاں پر سلطنت کرتی۔ مگر اس کا وطیرہ یہ کہ بچے روتے رہتے اور وہ گاڑی میں بیٹھ ہوا خوری کو چلادی۔ میاں دیکھتا رہا وہ پان بنا، اپنا کلمہ گرم کر چار پائی پر چالیٹی، تین ساڑھے تین برس تو چپکا دیکھتا رہا۔ مگر جب دیکھا کہ بیوی کسی طرح ٹھیک نہیں ہوتی۔ مجھ کو راحت نہ بچوں کو آرام۔ اللہ کی بندی کو فقط اپنے کام سے کام سپہ تو دوسرے نکاح پر آمادہ ہوا۔ نسبہ کے کان میں یہ بھنبک پہنچی تو پاؤں تلے کی زمین ٹپک گئی اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ کلمہ نندوں کو کشتگی۔

نسبہ سنا ہے کہ آپ سنت رسول اکرمؐ کی فکر میں ہیں۔

نندوئی آپ نے صحیح سنا۔ لیکن آپ اس کا مضحکہ نہ اڑائیے میں ان مولویوں میں سے نہیں ہوں جو نکاح ثانی کو سنت رسول اللہ سے تعبیر کر کے دوسروں کو دھوکا دیں۔ میں اپنی ضرورت سے کرتا ہوں۔ البتہ مجھ کو جو حق اسلام نے دیا ہے اس سے ضرور فائدہ اٹھاتا ہوں اور وہ بھی اس لئے کہ اس نکاح سے جو میری غرض تھی وہ پوری نہ ہوئی۔

نسبہ جہاں تک مجھے معلوم ہے راجہ بیوی ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض اچھی طرح انجام دے رہی ہے۔ آپا نے اس کے فرائض میں اپنے بچوں کی پرورش کیوں شامل کر دی اگر اس سے غفلت کرے یا اس کو انجام نہ دے سکے تو خود بھی بچہ ہے۔ اور ایسی سخت سزاوار نہیں ہے جو آپا نے تجویز کی اور جس سے اس کی

تمام عمر برباد ہو جائے گی۔

نندوئی: میں نکاح کے وقت ان بچوں کا باپ تھا اور یہ بچے چھپے ہوئے تھے اس لئے ظاہر ہے کہ بیوی کے فرائض میں ان کی پرورش یقینی شامل تھی اور یہ سب سے بڑا فرض تھا۔ اس لئے باپ ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ ان کی پرورش کا پورا سامان کروں اور ایک ایسی عورت سے نکاح کروں جو ان کی بھی پرورش کر سکے۔

لیسمہ: آپ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ جس لڑکی سے آپ کا نکاح ہو رہا ہے وہ کواری ہے۔ اُس نے دنیا نہیں دیکھی۔ اس کے پینے اور پھینے کے دن۔ اچھا کھانے کا وقت۔ اور بے فکر سونے کا زمانہ ہے۔ پہلو تھپی کے بچے کی جو اپنے پیٹ کے ہوتے ہیں پرورش نائیاں، دادیاں ہی کرتی ہیں اور ماؤں سے صرف دودھ پلانے کا واسطہ رہتا ہے نہ کہ آپ ایک لڑکی سے یہ توقع رکھیں کہ وہ آپ کے اپنے بڑے بچوں کی پرورش کرے اور ماں بننے سے پہلے حقیقی ماؤں کی طرح اپنا سکھ آن کے دکھ پر قربان کر دے۔ آپ اس سے وہ کام لینا چاہتے ہیں۔ جس کا اہل ابھی قدرت نے بھی اس کو نہیں سمجھا۔ آپ کو کسی ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہئے تھا جو دھبی کئی بچوں کی ماں ہوتی تاکہ دونوں کے حق برابر ہو جائے آپ کو بھی معلوم ہو جاتا کہ پر اسے بچوں کی پرورش آسان ہے یا مشکل۔

نندوئی: آپ جس مسئلہ پر بحث کر رہی ہیں یہ قبل از نکاح فیصلہ کرنے کا تھا۔ میری درخواست نکاح میں بیوی کا یہ فرض شامل تھا اور آپ کہ انکار کرنے کا پورا اختیار مجھ پر آپ نے منظور فرمایا تو کوئی وجہ نہیں کہ میری یہ غرض پوری نہ ہو اور اب میرے نکاح ثانی کی وجہ سے میری موجودہ بیوی کی فرائض کی ادائیگی میں لا پرواہی، کوتاہی اور سہل انکاری میں نے تین برس سے زیادہ صبر کیا ہے اور یہ ایک عورت کے واسطے معاملہ کو سمجھ لینے کے لئے بہت کافی وقت ہے۔ اور اس کا فرض ہے کہ وہ شوہر کو

دوسرے نکاح کی ضرورت سے قطعی سبکدوش کر دے۔ کوئی مرد دنیا میں ایسا بیوقوف نہ ہوگا کہ وہ بلا وجہ اپنے اخراجات کو بڑھائے اور خواہ مخواہ نئے تعلقات میں پھنسے اس لئے سوا ان چند خود غرض افراد کے جو شوقہ نکاح ثانی کرتے ہیں اور جو میری رائے میں اچھا نہیں کرتے۔ عام طور پر نکاح ثانی کی وجہ موجودہ بیوی ہوتی ہے۔ اگر بیوی اپنے فرائض انجام دے اور پھر دوسرا نکاح کرے تو وہ ذمہ دار اپنے فعل کا ہوگا۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ میری تمام ضرورتوں کو پورا کرنے میں قاصر ہے تو وہ نکاح ثانی میں حق بجانب ہے اور اس کا تمام عذاب و ثواب، بُرائی بھلائی جو کچھ بھی نتیجہ ہوگا بیوی کی گردن پر ہے۔

نسیمہ کا خیال تھا کہ نندوئی کو ڈر پڑا لے گی۔ مگر پانی نہ رہا تھا۔ خاموش ہو گئی۔ اور ماننا پڑا کہ مرد کے دوسرے نکاح کی ذمہ دار اگر شوق یا خبط نہ ہو اس کی بیوی ہے تاہم فیصلہ یہ ہوا کہ ایک سال کی ہملت اور دی جائے اگر اس عرصہ میں راجہ راہ راست پرنے لگے تو اس کے شوہر کو نکاح کا پورا حق حاصل ہے۔

(۲۶)

نسیمہ نے نندوئی کو ہملت دینے کو تو دیدی اور اپنے مقدور بھر لہجہ کو ڈانٹتے اور سمجھانے میں بھی کسر نہ کی دینی زبان سے یہ بھی کہہ دیا کہ اب بھی اسی نیند سوئے گئیں تو بیوی عمر بھر سر پر ہاتھ رکھ کر رونا۔ اکیلی جان ہوتی تو کسی کی ٹہل کر کے پیٹ بھرتیں۔ کچا ساتھ دو بچے آگے جس کی دہلیز پر جاوگی در در پھٹ پھٹ، مگر راجہ کو ایسے سچے گھڑے کی چڑھی تھی کہ وہ ٹہل سے مس نہ ہوئی۔ وہی جھک جھک اور پٹ پٹ۔ نسیمہ بھی کانوں میں تیل ڈال بیٹھ جاتی تو راجہ اپنے ہاتھوں اپنا گھر کھوی چکی تھی۔ نگر وہ اس کے مزاج سے واقف عادت سے آشنا خصلت سے باخبر اور نگوں سے اچھی طرح مطلع تھی۔ مہینہ بیس دن تو یہ وطیرہ رکھا کہ جو تھے پانچویں آئی اور بک جھک چن پٹ

دو چار گھنٹے ٹھہر کر پھر چلا گیا۔ یہ دیکھا کہ یہ لگی سیدھی انگلیوں نکلنے والا نہیں، تو چند روز کے واسطے اپنا گھر چھوڑ پکڑ کو لے یہاں آگئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ سال بعد لاکھ بچہ سہے کر ایسی ہیوقت نہیں کہ اتنے چھینچوڑنے پر بھی نہ چوٹے گی۔ یہاں آکر دیکھا تو کم بخت کی جو بات سہے وہ نہرالی جو ڈھنگ سہے وہ انوکھا۔ بیچیا اتنی کہ نہرالی نہیں کہو ذرہ بھرا اثر نہیں۔ ڈھکیٹ اس درجہ کہ لاکھ مغز کھپاؤ خاک پر دانا نہیں۔ مگر اتنی بات ضرور تھی کہ نہ معلوم نسیمہ کا طریق تربیت یا پکپن کا بیٹھا ہوا خوف، یہاں اس نے ڈانٹا اور خون خشک ہوا دینیہ بھی اس اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ برابر کی بہن سہے جواب دے بیٹھی تو ہڑائی اور ہزہرگی سب کر کیری ہو جائے گی۔ جو کچھ کروں سمجھ کر اور جو کچھ کہوں دیکھ کر۔ اس نے سب سے پہلے گھر کی آراستگی پر توجہ کی۔ رہنے کا مکان گھر کا تو نہ تھا کہ ایسی کا تھا مگر نیرہ برس سے قبضہ میں تھا۔ ندر سے پہلے کا مکان جس میں آج تک مرثیہ تو درکنار کبھی سندسے کی کرنی یا سفیدی کی کوچی تک نصیب نہ ہوئی۔ کڑیاں ٹوٹی۔ ننھے پھٹے دانا نکلا۔ منڈیریں چھڑی چھت پر نظر ڈالو تو ڈر لگے اور دیواروں کو دیکھو تو خوف آئے۔

نسیمہ کے بہت مانگنے یا تسکین دینے سے تو ندوئی بہ نصیب کو کیا امیر ہوتی مگر اس کے آجائے سے کچھ ڈھارس بندھ چلی کہ شاید گھر پھر جائے۔ نسیمہ نے پہلا کام تو یہ کیا کہ گھر بدلا اور کھلم کھلا ندوئی سے کہہ دیا کہ آپ کے بچے آئے دن جو بیمار رہتے ہیں اور بیوی ہر وقت درد مرقا بہت کی شکایت کرتی رہتی ہیں، اس کی بڑی دہر یہ مکان ہے۔ سات سات گز کے جنگاوری دالان اور نگوڑی چار چار پائیوں کی بھی انگلی نہیں۔ دیواریں یہ قہقہہ کرنا زہی ہوا نام کو نہ آئے۔ چار سے میں دھوپ نہیں۔ گرمی میں ہوا نہیں جس پر صحت کا دار و مدار ہے۔ باورچی خانہ میں روشندان نہیں کہ دھواں باہر جاسکے۔ اس پرستم یہ کہ کوئلے نہ لکڑیاں۔ آپیلے جلتے ہیں یہ دھواں تو اچھی سمجھتی آنکھوں کو

اندھا کر دے۔“

نئے محلہ میں نسیمہ کے آتے ہی پڑوسلوں کو عید ہو گئی۔ بارہ بجے رات ننگ بچیاں اور بوڑھیاں، کواریاں اور بیابیاں اس کو گھیرے رہتیں۔ اور وہ باتوں ہی باتوں میں اُن کو کام کی میسوں باتیں بتا جاتی۔ تعلیم سنو ان کا چرچا شہر میں اچھی طرح ہو چلا تھا۔ لڑکیوں کا نیا شوق۔ بزرگوں کی اعانت نسیمہ کی سرپرستی باتوں ہی باتوں میں محلہ کی ایک حاصی اچھی انجن تیار ہو گئی۔ ہر ہفتہ جمعہ کی نماز کے بعد نسیمہ مسجد کی ایک تقریر ہوتی اور سارا بعدہ کی درستی کے ضمن میں محلہ بھر کی عورتیں اس سے فائدہ اٹھاتیں۔ بیویوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ آمو جو دہوتے۔ پہلے نماز ہوتی۔ اس کے بعد نسیمہ کا لیکچر۔ اس انجن میں سب سے پہلا لکچر یہ تھا۔

بہنو! تم کو معلوم ہے کہ ہماری زندگی کا دار و مدار صرف تین چیزوں پر ہے۔
ہوا پانی۔ اور غذا ہو اور پانی تو قدرتی انعام ہیں اور ان پر میں اس وقت بحث نہیں کرتی۔
لیکن غذا ہمارے اختیار کی بات ہے اور چونکہ ہمارے تمدن میں اور ایک ہمارے ہی تمدن میں کیا ہر ملک اور ہر قوم میں غذا کا تعلق عورتوں ہی سے ہے اس لئے ہر لڑکی کو غذا کے متعلق پوری کیفیت نہیں تو تھوڑا سا حال ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ یہ غذا کن کن چیزوں سے ملتی ہوئی ہے یہ ہمارے جسم پر کیا اثر کرے گی کس وقت کیا غذا مفید اور کیا مضر ہو سکتی ہے۔ ایک ڈاکٹر کا قول ہے کہ جب غذا خریدنے وقت ہم یہ احتیاط کرتے ہیں کہ آٹا کم تو نہیں دیا۔ گھی کی تول اڑتی ہوئی تو نہیں۔ تو ضرور ہم کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ غذا ہماری زندگی جیسی بیش قیمت چیز پر کیا اثر کرے گی بہت سی جانیں اسی لاپرواہی سے ضائع ہوتی ہیں اور اکثر بیویاں اُن کے شوہر اور بچے صرف اسی لئے ہمیشہ رنجیتے رہتے ہیں جیسے بیماری بواہر بعدہ کہ مخص اسی وجہ سے فو ولیل۔ میاں بیمار۔ بچے مریض۔ ہمارے جسم میں جو اعضا اور عناصر ہیں وہ جسم

کی پرورش کرتے ہیں اور ان کا منہ غذا سے ہے۔ غذا میں نباتات، گوشت اور غلہ وغیرہ ہے۔ دو چیزیں اس وقت تک کو بناتی ہوں، البومین اور فیبرین۔ البومین سیال اور تھیل دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔ یہ انڈے میں۔ اناج کے بیجوں میں اور گوشت میں ہوتا ہے۔ فیبرین بھی اسی قسم کی شے ہے۔ کائے کے گوشت کا شوربا ابا لئے وقت اگر دھیمی آج کر دو تو جو ریشہ چھوٹ جائیں گے وہ خالص فیبرین ہوں گے۔ اخروٹ، بادام، کاجو وغیرہ میں البومین تھیل صورت میں ہے لیکن خون اور کھنی وغیرہ میں سیال صورت میں ہم زیادہ تر اناج کھاتے ہیں لیکن گوشت غلہ سے زیادہ مقوی ہے کیونکہ اس سے فیبرین خون میں ترقی کرتا ہے اور نسوں کو طاقت دیتا ہے۔ غلہ سے خون ہلکا بنتا ہے اور جسم میں بمقابلہ گوشت کے کم حرارت پیدا کرتا ہے۔ اب تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ غذا جو گوشت اور اناج سے مل کر تیار ہو جیسے روٹی سالن پلاؤ وغیرہ یہ جسم کی پرورش میں بہت زیادہ مددگار ہوگی۔ تم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا۔ یا کبھی تم انگریزی سوسائٹی میں ملوگی۔ تو دیکھو گی کہ وہ لوگ اناج کم کھاتے ہیں اور گوشت زیادہ۔ مگر تم سے زیادہ تندرست رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گوشت میں جو البومین ہوتا ہے وہ دوسری غذا سے مل کر عرق بنتا ہے اور بہت آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔ اور خون پورا چھا اثر کرتا ہے نباتات وغیرہ میں ہاضمہ کو مدد دینے والی چیزیں زیادہ ہیں۔ مولیٰ اور گوگھی وغیرہ میں نمک کا مادہ بہت ہوتا ہے ہندو کو بھی میں چونہ بھی ہے جو معدے کے لئے مفید ہے۔ جن بچوں کو بعض دفعہ سوجھن کی شکایت ہوتی ہے ان کے لئے چونہ کا نھرا ہوا پانی بہت مفید ہے۔ تھوڑا سا چونہ ایک ٹی کے برتن میں ڈال دو۔ اور پانی بھر دو۔ چونہ اندر پیچھا جائے گا۔ اور پانی اوپر رہے گا۔ یہ نھرا ہوا پانی ہاضمہ کو بہت اچھا ہے جس کو لاکم داکٹر بھی کہتے ہیں اور جو ڈاکٹروں یا ڈکانداروں سے بھی نھرا نھرا یا مل سکتا ہے میں اوپر البومین اور فیبرین کا ذکر کرتی ہوں۔ گوشت میں

خصوصاً یہ ہی دو چیزیں ہوتی ہیں۔ اسلئے گوشت خوردہ جانوروں کی نسبت جو جانور گوشت نہیں کھاتے اُن کا گوشت ہلکا ہوتا ہے اور بہت آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاک مذہب نے ہماری معمولی باتوں میں بڑے بڑے مرحلے طے کر دیے ہیں بشرطیکہ غور سے دیکھو۔ اسی وجہ سے ہمارے واسطے اُن جانوروں کا گوشت حلال ہے۔ جو گوشت نہیں کھاتے۔ درندے کا گوشت حرام۔ گوشت اناج کے مقابلہ میں جلد ہضم ہوتا ہے۔ بالخصوص پھلی۔ کیونکہ البومین بہت زیادہ ہوتا ہے اور اسی لئے اس کا گوشت سفید ہوتا ہے۔ گوشت میں جس قدر البومین زیادہ ہوگا اسی قدر فیبرین یا چربی کم ہوگی اسی قدر جلد ہضم ہوگا۔ کیونکہ اور مرغی کا گوشت بکرے اور مینڈے سے جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ لیکن بطح کا گوشت اس لئے کہ اس میں فیبرین زیادہ ہے ثقیل ہے اور دیر میں ہضم ہوتا ہے۔ کھجی۔ بھیجا یا سینہ کا گوشت آسانی سے ہضم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں فیبرین زیادہ ہوتا ہے۔ میں اس کے ساتھ ہی تم سے یہ بھی کہوں گی کہ غذا جس قدر سادہ ہو اسی قدر بہتر ہے۔ کیونکہ امراض کی جڑ صرف غذا کے تکلفات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ پہلے زمانہ میں جب سادہ غذائیں اور معمولی کھانے ہوتے تھے۔ نہ مرض تھے نہ نیشکائیں۔ ان کی عمریں بھی ہم سے زیادہ ہوتی تھیں اور ان کا زما بیماری بھی بہت کم یونان اور رومہ کے لوگ اپنے وقت میں بہت سادہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن اُن کے پُروس میں تکلفات شروع ہو گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یونان اور رومہ والے جسمانی اور ذہنی طاقتوں میں ہمیشہ اُن سے فائق رہے۔ خیر یہ ایک جلد معترض تھا۔ بحث غذا کے متعلق تھی۔ کھانا جہاں تک ممکن ہو گرم کھانا چاہئے۔ ٹھنڈا کھانا اتنا مفید نہیں ہوتا جتنا گرم کیونکہ غذا میں چربی کا مادہ ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ اگر وہ گرم اور ستیاں ہو تو ظاہر ہے کہ ہاضمہ کے لئے بہت آسانی ہوگی۔ اگر وہ ٹھنڈی ہوگی تو معدہ کی حرارت جو غذا کو ہضم کرتی ہے۔ چربی کی ٹھنڈک سے

سست ہو جائیگی بعض جگہ میں نے دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد مہوہ کھایا جاتا ہے۔ مثلاً اخروٹ۔ بادام۔ کاجو۔ کھوپرہ کیشش وغیرہ۔ لیکن یہ اصول صحت کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں ہاضمہ کے لئے ثقیل ہیں۔ اور جب غذا خود ہی ہضم نہیں ہوئی۔ تو یہ جاکر اتنا ہضم میں خلل ڈالیں گی۔ ہاں اگر پان کی طرح اُن کے کھانے کی اس شد ضرورت ہو اور وہ بھی اسی لئے کہ منہ صاف ہو جائے تو بہتر ہوگا کہ یہ چیزیں مکا کے ساتھ کھائی جائیں تاکہ ہضم ہو سکیں۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام اور رات کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی سی چل قدمی صحت کے لئے بہت اچھی ہے۔ کیونکہ کھانے کے بعد اگر محنت کی تو معدہ کا خون دوسری جانب منتقل ہو جائیگا اور ہضم میں دقت ہوگی۔

میں اس مضمون کو اگر خدا کو منظور ہو تو آئندہ جمعہ میں ختم کروں گی۔ لیکن آج بھی اس کے ختم سے پہلے میں تم کو کچھ کام کی باتیں خدا کے متعلق بتانا چاہتی ہوں۔

”جو عورتیں بچوں کو دودھ پلا رہی ہیں اُن کو پھر یا سرکہ بہت کم کھانا چاہئے بلکہ ممکن ہو تو قطعی نہ کھائیں کیونکہ ان دودھوں کا اثر خون پر اس قسم کا ہوتا ہے کہ دودھ کی پیدائش میں کمی کرے گوشت کو اگر معمولی وقت سے زیادہ دیر رکھنا منظور ہو تو پھار کس طرح دبائیں کہ جو کچھ اس میں پانی کا عرق موجود ہو نکل جائے اور پھر جھٹ کا ایک ڈبہ لے کر اس کی ہوا نکال دیں اور گوشت بھر کر اس طرح بند کریں کہ ہوا کا گذر وہاں نہ ہونے پائے۔ اس طرح بند کے جس وقت اس ڈبہ کو کھولیں گے گوشت بالکل نازہ نکلیے گا۔ اسی طرح اناؤں کو زیادہ دن رکھنا منظور ہو تو ہوا جو مسامات میں داخل ہوتی ہے اس کو بند کر دو۔ کیونکہ وہی انڈے کو گنداکرتی ہے۔ اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ اگر تیل مل دو تو مسامات بند ہو جائیں گے۔ لیکن چربی فوراً

مسامات کو بند کر دیتی ہے۔ بچوں کو بعض دفعہ دستا اور بے وقت شروع ہو جاتے ہیں۔
دودھ پیتے بچوں کو اس قسم کی تکلیف اکثر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ محض پیٹ میں بادی
چرک کا موجود ہونا ہوتا ہے۔ جائفل کو بار یکس پلس کر اس میں مکینیشیا اور اس کا ملنا
آسان نہ ہو تو ذرا سی کھریا ملا کر سفوف دینا بہت مفید ثابت ہو گا۔

(۲۷)

تقریباً ختم ہوتے ہی چاروں طرف سے نیمہ بیگم کے گلے میں پھولیوں کے بار
ڈالے گئے۔ اور ہر طرف سے آفرین و مرحبا کی آوازیں آئیں۔ کچھ ایسا اثر ہوا کہ اٹھ دن
کاٹے بیویوں کو اٹھ برس ہو گئے۔ جہاں دیکھو یہی چرچا اور جہد صرف سنو یہی مذکور جو ہے
وہ جمہور کا منظر۔ خیر خدا خدا کر کے جمعہ آیا تو عورتوں کو خاصی اچھی عید ہو گئی۔ گیارہ بجے
سے کھانے سے فارغ ہو ہو اڈولیاں اترنے لگیں۔ ڈھائی بجے نماز سے فراغت پا
نیمہ بیگم کچھ کھڑی ہوئیں اور کہا:-

”دہنو! بعض باتیں کھانے کے متعلق ہر بیوی کو خوب ذہن نشین کر لینی چاہئیں مثلاً
دست آنے والے بچوں کو خشک مفید ہے، کھانے کے برتن جہاں تک ممکن ہو چھینک
کے ہوں۔ بالکل قے کی اتری روٹی جو اکثر لوگ کھاتے ہیں صحت کو مفید نہیں جن بیویوں
کو بیماری کے سوا کوئی کام نہیں ان میں چربی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جو صحت کو مضر
ہے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لو کہ اگر تم مرغیاں پالو اور ان کو چالیس روز بند رکھو
باہر نہ پھرنے دو۔ دہب داند پانی دیدو تو وہ فربہ ہو جائیں گی اور چربی بڑھ جائیگی۔
اب میں تم سے دودھ کے متعلق کچھ کہتی ہوں کیونکہ یہ بھی ہماری غذا کا جزو ہے۔
سب سے پہلے میں تم کو عورت کے دودھ کا حال بتاتی ہوں۔ اگر میں ایک چرکیا بن
جاتی ہے۔ دوسری شکر اور مسک کی صورت میں چربی لگائے کے دودھ میں کپا کین عورت
کے دودھ سے زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن شکر کا حتمہ کم ہوتا ہے۔ اس لئے گائے کے

دودھ میں چونکہ کیسین زیادہ ہوتا ہے وہ بالوں اور ہڈی کے وقت جلد خراب ہو جاتا ہے کیوں کہ اس وقت ہوا میں اوزون پیدا ہو جاتا ہے اور یہ اوزون بہت ہی تیز آکسیجن ہوا ہے اور یہ ہوا خود نہایت ترش ہے۔ جس کی وجہ سے دودھ میں لالنگ نمک کا مادہ بن جاتا ہے۔ اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ دودھ کبھی ایسی حالت میں کچا نہ رکھا جائے کیونکہ جوش دینے سے جو آکسیجن اس میں ہو وہ مادہ فوراً ابل جاتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ گائے کا دودھ بچوں کو یا کمزور معدے والوں کو موافق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں جیسا میں نے اوپر بیان کیا مسکہ ہوتا ہے اور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اگر بھیش کا دودھ میسر نہ آ سکے تو گائے کے دودھ میں سے بالائی کا حصہ نکال کر دینا بہتر ہوگا۔ دودھ کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ خراب ہو جائے گا تو ہم اس طرح محفوظ رکھ سکتے ہیں کہ سیر بھر دودھ میں دس گرین کاربونیٹ آف سوڈا ملا دیں۔ جہاں تک میں خیال کرتی ہوں یہ دودھ آٹھ دس روز خراب نہ ہوگا۔ شیشہ کے برتن میں دودھ رکھنے سے بعض دفعہ ادھر ادھر کر وٹوں میں بالائی جم جاتی ہے۔ لیکن یہ ہرگز نہ کھانی چاہئے کیونکہ اس میں نمک کا مادہ ہوتا ہے اور شیشہ سے مل کر بڑھ جاتا ہے۔ دورانِ حل میں بعض عورتوں کو صفے کا زور ہوتا ہے قے ہوتی ہے۔ چکراتے ہیں جی ملتا ہے اس کا علاج سب سے بہتر یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانی کے آدھے گلاس میں آدھا چمچہ خاک کیا ہوا چونہ ایک چمچہ لکینشیا ڈال کر پی لیں۔ اس تکلیف کے وقت تمام غذاؤں سے بہتر چاول ہے ایک اور بھی علاج اچھا ثابت ہوا ہے کہ کاربونیٹ آف سوڈا دس گرین اس کا سفوف دن میں تین مرتبہ استعمال کریں قدرے پانی کے ساتھ کثرت سے چائے کا استعمال ہوں تو سب ہی کو مضر ہے۔ لیکن حاملہ کو اور بھی زیادہ۔ کیونکہ معدے کی قوت کو کمزور کرتی ہے۔ ہاں ایک دودھ پینے کا مضائقہ نہیں۔

اب میں کچھ تنہا رہے لباس کے متعلق کہتی ہوں گرم ہوا میں چکینے اور صاف کپڑے کا لباس صحت کے لئے ہمیشہ مفید ہوگا۔ تنگ لباس کے مقابلہ میں ڈھیلے ڈھالا لباس زیادہ گرم ہوتا ہے۔ حالانکہ سمجھایا جاتا ہے کہ تنگ لباس زیادہ گرم ہوگا۔ کیونکہ ڈھیلے کپڑوں میں گرم ہوا کی تہ جم جاتی ہے۔ تنگ ہوا تو اندر نہیں آنے پانی بعض ہویاں جاڑوں میں یہ غلطی کرتی ہیں کہ اندر کرے میں گرم لباس پہننے یا کوئی کپڑا اوڑھنے ٹپٹی میں اور باہر جلنے کی ضرورت ہوتی تو فوراً اٹھیں اور چلی گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر دنی سرد ہوا فوراً جسم میں داخل ہو کر ڈال دیتی ہے۔ اس کی ہمیشہ احتیاط رکھتی رہئے۔ یوں تو بہت سی چیزیں ہیں جو سردی کی حفاظت کر سکتی ہیں۔ لیکن سردی لگنے کا اصل مقام پیٹ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ اس کی حفاظت ضروری ہے۔ فلین اس کام کے لئے بہت بہت مفید ثابت ہوئی ہے اور جاڑوں میں پیٹ کا اس سے ڈھکا رہنا اچھا ہے کیونکہ وہ ہوا کو جذب کر لیتی ہے اور اندر داخل نہیں ہونے دیتی جس کی وجہ سے نزلہ اور کھانسی پیدا ہوتے ہیں۔ جسم کے کسی حصہ میں اس قدر پسینہ نہیں نکلتا جس قدر پاؤں سے۔ اس لئے وہ جس قدر جلد نکلتا ہے اتنا ہی جلد خشک ہونا چاہئے۔ اس لئے بجائے سوئی موزوں کے اونی موزے مفید ہوں گے کیونکہ جسم بھر میں پسینہ کو بہا دینے والے پاؤں میں۔ جتنا ان کے مسامات کا انتظام ہوگا اتنا ہی پسینہ نکلے گا۔ اس لئے یہاں تک ممکن ہو پاؤں میں موزے زیادہ پہننا صحت کو مفید ہے۔ میں نے ابھی تنگ لباس کا ذکر کیا تھا۔ یہ صحت کو واسطے مضر چیز ہے۔ کیونکہ دوران خون کو روکتا ہے اور نسوں کے فعل کو بند کر دیتا ہے اور اس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ زیادہ کپڑے پہننا بھی مضر ہے کیونکہ اس سے پسینہ زیادہ آیا تو جسم ناتواں ہو جائے گا۔ مناسب ہو گا کہ آج

ہی ہوا کے متعلق بھی اپنی عزیز بہنوں کو کچھ بتاؤں۔ کیونکہ ہماری زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے بہنو اور بیٹیو! اس میں دو عنصر ہوتے ہیں۔ دونوں یا درکھنا۔ ایک کا نام آکسیجن ہے جس کا میں اوپر ذکر کر آئی ہوں۔ دوسرے کا نام نیٹر وجن ہے۔ یوں تو بہت سے اجزاء ہیں۔ مثلاً پانی۔ کاربائک ایسڈ گیس وغیرہ مگر یہ دو بڑے جزو ہیں ہوا ہمارے خون کو آکسیجن پہنچاتی ہے جس سے ہم زندہ رہتے ہیں۔ یونچھ ہمارے ہر سانس میں آکسیجن اندر داخل ہوتی ہے اور ہر سانس کے ساتھ جو باہر آتا ہے کاربائک ایسڈ گیس نکلتی ہے۔ ہم جو کچھ کھاتے ہیں اس کا معدہ میں دودھ کی طرح عرق بنتا ہے۔ یہ عرق دوران خون کے ذریعہ پھیل پھیلے میں سے جاتا ہے۔ سانس سے جو ہوا اندر پہنچتی ہے وہی آکسیجن ہے وہ اس عرق کو سرخ رنگ کا بنا دیتی ہے اور خراب ہو کر باہر کے سانس کے ذریعہ سے نکال دیتی ہے۔ جہاں جگہ کم ہو اور آدھی زیادہ۔ وہاں کی ہوا اسی وجہ سے خراب ہو جاتی ہے اور امراض شروع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص اپنے سانس سے آکسیجن کو کم کرتا ہے اور کاربن سے ہوا بھر دیتا ہے اور جب آکسیجن کم ہو اور پھر کاربن ہیٹ میں داخل ہو تو ظاہر ہے کہ کیسا بُرا اثر ہوگا اسی لیے بیلوں تماٹوں میں آدمیوں کی کثرت کے موقع پر یہ احتیاط کی جاتی ہے مکانوں میں روستہندان بھی اسی لئے رکھے جاتے ہیں کہ وہ ہمیں کے ساتھ خراب ہو کر باہر نکال دیں گھر میں ضرور اس اصول کے خیال سے چھل پھلاری کے درخت گھیلے۔ پودے وغیرہ بہت مفید ہیں۔ کیونکہ ان کی پرورش کاربن سے ہوتی ہے اور اس ہوا کو وہ فوراً جذب کر لیتے ہیں۔ کچڑ یا سڑی ہوئی چیزوں میں کاربن کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے اس لئے گھر میں اگر ایسی چیزیں ہوں تو ان کو فوراً دور کر دینا چاہیے۔ تاکہ کاربن اچھی ہوا کو بھی مل کر خراب نہ کر دے۔ میں نے پچھلے مہر کو اپنی تقریر ختم

کرنے سے پہلے تم کو کچھ کام کی باتیں بتائی تھیں۔ اس لئے آج بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم سے ویسی ہی کچھ باتیں کہوں۔ اگر بھٹا رہے گھر میں پھولوں کے پودے ہوں اور پھول خود بخود سکڑ جائیں تو سمجھنا بارش ہونے والی ہے۔ اگر مرغ بے وقت اذان دے۔ زیادہ بے چین ہو تو بھی منہ برسنے کا احتمال ہے۔ اسی طرح اگر چڑیاں چوں چوں کریں۔ اور بھاگتی پھریں تو غالباً مینہ برسے گا۔ بطنیں یا ہنس تالابوں میں جا کر اگر اپنی چونچ سے پانی اچھالیں تو برسات شروع ہوگی مگر یاں اگر نظر آئیں اور چھپنے کی کوشش کریں تو سمجھو کہ برسات آگئی۔ مرغیاں اگر ٹیٹھو کر اس میں بیٹھنا شروع کریں تو یہ بھی برسات کی علامت ہے۔ جو کچھ میں نے کہا پیشین گوئی نہیں بلکہ بارش کا انحصار ہوا پر ہے اور جانور انسان سے بہت زیادہ ہو اکر پہچانے ہیں اور اس کے اثر سے واقف ہیں حد یہ ہے کہ چوٹی بھی بارش کی ہوا کو ہم سے بہتر سمجھ سکتی ہے جب دیکھو چوٹیاں کثرت سے اٹھ رہی ہیں تو سمجھ لو کہ بارش ہونے والی ہے۔

(۲۸)

مرل بھلا کیسی ہی مگری کیوں نہ تھی۔ مگر نسیم کے گھر میں قدم دھرتے ہی وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ شامت آئی اور بری طرح آئی۔ وہ آرام طلبی اور بھیکری کا ایندنا ختم ہوا۔ نسیم نے پہلے ہی دن نئے مکان میں جا کر چاروں طرف پسیری کرائی۔ تاکہ کسی قسم کے مرض متعدی کا اثر موجود نہ ہو تو جاتا رہے۔ خوب اچھی طرح گندک روشن کی۔ لوبان جلایا کہ ہوا صاف ہو جائے۔ اس کے بعد مرل بھلا کے سوتیلے بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے بدلوائے۔ اپنے ساتھ سلاخی اپنے ہاتھ سے اٹھاتی ذرا کھانے میں دیر ہوئی اور وہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر دوبارہ چرخہ چا پنی۔ بھاؤ ج کا یہ رنگ دیکھ کر کس طرح ممکن تھا کہ مرل بھلا الگ تھلاک رہتی چند ہی روز میں بھاؤ ج کی دیکھا دیکھی وہ خود

بھی بچوں سے لپٹنے لگی جس گھر میں کبھی مہینوں چاندنی نہ بدلی جائے۔ وہاں کینیچری بدلی گئی کہ دونوں دالوں میں اجالا، صاف شفاف کچھونا۔ دھبہ نہ چکینا، پٹنگ، کچھے کچھونا ہوا۔ دونوں وقت جھاڑو علی الصباح میز کرسیوں کی صفائی۔ نذر کی صاحب کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ وہی بیوی جو دن کے نو بجے پٹنگ سے اٹھتی نماز کے وقت بچوں کا ہاتھ منہ دھلاتی اور چار پلاٹی۔ انجمن کا سب سے پہلا کام بی سراجہ کی اصلاح تھی۔ جب سنیہہ کو سراجہ کی طرف سے پورا اطمینان ہوا اور سندھوئی کو بھی مطمئن اور شناس دیکھا تو ایک جمعہ کو اس نے اپنی تقریر اس طرح شروع کی۔

”میں اپنی پیاری بہنوں سے آج جدا ہوتی ہوں مجھ کو دو مہینے سے زیادہ اس محلہ میں آئے ہو گئے۔ گھر کے تمام کام کاج چھوٹ پڑے ہیں بچوں کی تعلیم کا خرچ ہو رہا ہے۔ لڑکیوں کے جو اوقات مقرر تھے ان میں فرق پڑ رہا ہے میں اپنی عزیز سراجہ کی نمون ہوں اور تمام بہنوں کے سامنے ان کے احسان کا اقرار کرتی ہوں کہ انھوں نے اپنی شرافت سے کام لے کر میری عزت بڑھائی۔ میری درخواست کو منظور کیا اور اپنے گھر کو سنبھال لیا اور مجھے اُمید ہے کہ اسی طرح یہ ہمیشہ اپنے بزرگوں کی آبرو کا لحاظ رکھیں اور کسی کوسکایت کا موقع نہ دیں گی۔ بوا مل بعد بیگم ہم مسلمان ہیں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو سب سے پہلے عورت کی حمایت کو اٹھا۔ ورنہ دنیا نے عورت کو حائل سے بدتر بنا دیا تھا۔ اب تک تم بعض قوموں میں بیوی کو لونڈی اور ماما سے بدتر بناؤ گی۔ وہ مرد کی پرستش کرنے والی ہے اور اس کی زندگی کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ شوہر میں فنا ہو جائے لیکن ہمارا سچا مذہب ہم کو میاں بیوی کی تعلقات میں وہی تعلیم دے رہا ہے جو ہماری زندگی کے واسطے مفید و کارآمد ہے۔ شوہر ہمارا خدا ہے نہ رسول۔ وہ ہمارا معاود ہے۔ اور ہم اس کے مددگار۔ لیکن ہم جیسی میاں اپنے مذہب کو بدنام کرتی ہیں اور دوسروں کو اس پر ہنسواتی ہیں مجھے خوب اچھی طرح

یاد ہے جب سلیمہ بیگم کے شوہر نے دوسرا نکاح کر لیا ہے اور اس لئے کہ وہ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے۔ مگر اس نیکبخت نے مطلق شوہر کی پرواہ نہ کی۔ آٹھ دن کے واسطے میکہ آئی اور آٹھ مہینے میں کئی لو اس کی آنکھوں میں دینا اندھیر تھی جس جود نے میرے سامنے جب سلیمہ کی ہمدردی کی تو کھلم کھلا کہہ دیا کہ کیا کریں۔ یہ سلوک تمھارے مذہب نے تمھارے ساتھ کیا۔ غور کرو کتنا بڑا زبردست حملہ اسلام پر ہے۔ قصور خود سلیمہ کا تھا کہ وہ شوہر بد نصیب کے دوسرے نکاح کی وجہ ہوئی اور اعتراض مذہب پر ہوا ہم کو خدا کا لاکھ لاکھ شکر گزار ہونا چاہئے کہ البیادین ہم کو ملا جس میں ہمارے حقوق کی پوری حفاظت ہوئی۔ ہم اپنے مال کے مالک اپنی مرضی کے غنکار اور اپنے خدا کی مخلوق ہیں۔ لیکن افسوس ہے ہمارے حال پر اگر ہماری وجہ سے مردوں کو ایسی تکلیف پہنچے کہ وہ عقد ثانی یا طلاق پر مجبور ہوں۔ اسلام نے ہم کو سب کچھ دیا۔ باپ کے ہاں ترکہ دیا۔ ماں کے ہاں حصہ دیا۔ شوہر کے ہاں رزق دیا۔ سب سے بڑھ کر ہم کو دیا اس کا بدلہ یہ کہ ہم مردوں کے حق کو جو وہ شرعاً حاصل کریں۔ دوسروں کی نیگاہیں ذلیل کریں۔ یقیناً لغزاد ازدواج کی وجہ ہمیشہ موجودہ بیہوی ہوتی ہے مگر لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور اس بد بخت کو قابل ہمدردی سمجھتے ہیں۔ اس نے اگر اپنے فرائض کے ادا کرنے میں غفلت کی ہے اور یہ وجہ عقد ثانی کی ہوئی تو بتاؤ کیا گناہ ہوا۔ اور کیوں وہ ایک بیکار زندگی بسر کرتا۔ رابعہ بیگم مجھ کو تمھاری قبر میں سونا ہے نہ تمھیں میری۔ مگر زندگی اور زندگی کے اعمال و افعال کا جواب تم کو اور مجھ کو ضرور دونوں کو دینا ہے۔ اسلام نے ہم کو ہر قسم کی آسائش اور ہر طرح کا آرام دیا ہے۔ غور کرو اور سوچو۔ فرماتے ہیں۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادِي ۚ ذٰلِكَ يَعْنِي أَنَّ الْإِنْسَانَ أَوْ جِنَّ سَبَّحًا أَوْ عِبَادًا كَمَا سَبَّحَ

پیدا کیا ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم سوا عبادت کے کچھ کریں ہی نہیں۔ اسلام

ہم سے یہ توقع نہیں کر سکتا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا ہر فعل جو معصیت نہ ہو عبادت ہے۔ ہم بچوں کا مذہب لائیں عبادت۔ شوہر کی روٹی پکائیں عبادت۔ گھر کی چھاڑ دو دیں عبادت۔ اپنے کپڑے بدلیں عبادت۔ غرض کام اپنا اور ثواب مفت کا۔ کیسی خوبیوں کا دین اور کیسی بھلائیوں کا مذہب ہے۔ یہاں کی ہر طرف زندگی عبادت۔ اور وہاں کا اکرام مفت کی عنایت جو اپنی غفلت اور کمالت میں شوہر کی نارضا مندی سے زندگی تباہ کر رہی ہیں وہ یہاں تو خیر بہتر وقت و مصیبت دن پورے کریں گی۔ مگر جب وہ وقت آیا کہ روح نے عالم بالا کو پروا کیا تو توبتاؤ کیا گزری فرماتے ہیں۔

اور میں عمل برے تو ہوئی عاقبت خراب
انڈیا میں طرح طرح کی اقسام کے عذاب
اور سب سے زیادہ خالق کو نہیں کا عتاب
گر پوچھنے پر آئے تو کیا بن گئے جواب
حق کو جو ناپسند ہو ٹھٹھانسیے کام پر

مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر
مختصر یہ کہ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔ خدا ایسی زندگی سب کو بچائے
اور اپنے حبیب کے طفیل سے ہم کو توفیق دے کہ ہم نیک بیویوں کا سامنہ نہ ہوں
کہ اپنے پاک مذہب کو معراج کمال پر پہنچادیں۔

نیمہ بیگم کی تقریر ختم ہوتے ہی بیویوں نے غل جچایا کہ ابھی ہم آپ کو نہ جانے
دیں گے اگر آپ کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے تو براہ کرم ایک جمعہ اور تقریر فرمائیے تاکہ انجمن
آپ کو شکریہ کے ساتھ رخصت کرے اور آپ کے احسانات کا اعتراف کرے۔

(۲۹)

نیمہ کو جانے کی جلدی تو بہت تھی مگر اس قدر زیادہ اصرار سے اس کو ایک جمعہ
اور ٹھہرنا پڑا۔ جمعہ آیا تو عورتوں کا یہ انبوه ہوا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملی۔ آخری تقریر بھی

جس کو نیہہ نے ان الفاظ میں ادا کیا۔

درجہ کو عورتوں کے ذرا لہجے میں سب سے زیادہ ذمہ داری کا کام بچوں کی پرورش معلوم ہوتا ہے اس لئے آج اسی پر بحث کرتی ہوں۔ بچوں کی پرورش گریا کا کھیل نہیں ایک ایسی ذمہ داری ہے کہ اگر اس میں ذرہ بھر غفلت کی جائے تو خاندان اور قوموں کی قومیں تباہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کی حالت جو کچھ اس وقت ہے ان کی نصیبی۔ ان کا افلاس چال چلن کی خرابی۔ بداطواری۔ نالائقیت و غیر یہ سب اسی غفلت کا نتیجہ ہے کیا تم نہیں سمجھ سکتیں کہ بچے جو کچھ ہماری گودوں میں نکلیں گے وہی آئندہ چل کر ان کا طرز عمل ہوگا اور جو خیالات اس وقت ان کے دماغ میں پیدا ہو جائیں گے وہ ایسی عادتیں ہوں گی کہ صرف موت انکو چھٹا سکتی ہے۔ پس ہر بچے کی نالائقیت اس کی ضد اور اس کے مکرو فریب کی ذمہ دار اس کی ذات نہیں بلکہ اس کی ماں جو اس نے گود میں اس کو نہ تمام باتیں سکھادیں۔ اور اگر وہ احتیاط کرتی اور اس کی طبیعت کو ان عیوب و نقائص سے پاک رکھنے کی کوشش کرتی تو اس کا لال لالوں کا لال ہوتا۔ ہم جس وقت کسی نیک سعادتمند اور غریب ہمدرد بچے کو دیکھتے ہیں تو ہمارا ہی خوش ہوتا ہے اور بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے کہ اس کی ماں کا کیلچہ ہمیشہ ٹھنڈا رہے لیکن جس وقت اس کے برخلاف کسی نالائق چھوٹے شریر بچے کو دیکھتے ہیں تو فوراً یہ کہتے ہیں کہ کیسی بھوڑی عورت ہے جس نے ایسا بچہ اٹھایا۔ تم نے پیش تو سنی ہوگی کہ سکھڑی جھاڑو نہ دے بھوڑی کا بچہ نہ لے۔ اس کے کیا معنی ہیں۔ یہی کہ سکھڑی جھڑی میں دوسرے کی جھاڑو ہرگز نہ آئیگی۔ وہ جب تک اپنی مرضی سے صفائی نہ کرے گی اس کو صبر نہ آئے گا اور بھوڑی کا بچہ گود میں لینا اپنے کپڑوں کو خراب کرنا ہے وہ کچھ میں نظر اچھڑا مٹی میں سنا بد تمیز ہوگا۔ تو خوب سمجھ لے کہ ہم اپنے بچوں کی پرورش اچھی طرح کریں گے تو ہمارا ہی جی خوش نہ ہوگا

بلکہ جو دیکھے گا وہ تعریف کرے گا۔ اور خود ہمارے بچے اپنی زندگی میں اپنی نیک عادتوں سے خوش و خرم رہیں گے۔ مانتا ایک قدرتی جوش محبت ہے جو سب ماؤں کے دل میں لہریں لیتی ہے۔ رات کو جس وقت عالم تنہائی میں اپنے کھجے کے ٹکڑوں کو بچہ بچہ بچہ کر رہا ہے تو ہم سب کو سب سے پہلے یہ خیال کر لینا چاہئے کہ ان کی پرورش آسان کام نہیں۔ ہم خواہ ان کو آدھی بنا دیں یا جانور۔ جو کچھ یہ ہم سے سیکھیں گے وہی اُن کی زندگی ہوگی اور وہی اُن کی دنیا۔ گویا ماں کی زندگی اس کے واسطے سبق ہوگی۔

ماں اس کی ماں بھی ہے استاد بھی ہے۔ دودھ بھی پلائے سبق بھی دے ہم سب نے ماں کی گود دیکھی ہے لیکن وہ وقت ہم کو یاد نہیں۔ ہاں اس سے تھوڑی دیر آگے بڑھ کر جو زمانہ آیا وہ ضرور یاد ہے۔ اس شفقت و محبت کو یاد کرو۔ ماں کی نصیحت بخاری آنکھوں کے سامنے پھر جائے گی اور ہم کو نیکم کرنا پڑے گا کہ جو کچھ سیکھا اسی سے سیکھا اور اسی طرح اب جو کچھ تم اپنے بچوں کو سکھاؤ گی وہ سیکھیں گے اس ذمہ داری سے غفلت ایسی غفلت ہے جس کا کوئی علاج نہیں کیونکہ آئندہ نہیں اس سے برباد ہوں گی اور یہ ایسا نقصان ہوگا جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔

چوتھی صدی عیسوی کا ذکر ہے کہ افریقہ میں ایک شخص آگسٹن پیدا ہوا اس کی ماں نیکا نہایت دیندار اور نیک عورت تھی مگر باپ ایک لامذہب اور آوارہ آدمی تھا بدقسمتی سے آگسٹن پر باپ کا اثر زیادہ پڑا اور وہ بھی شریر اور لامذہب ہو گیا۔

بیتے کی اس حالت کا مدینہ کا پرہیزگار اثر پڑا اور اکثر اس کی بدقسمتی پر روتی اور اس کی اصلاح کے واسطے خدا سے دعا کرتی۔ گویا باپ کے اثر نے آگسٹن کی طبیعت میں بُری بُری عادتیں پیدا کر دی تھیں مگر ماں کی پرورش کا اثر بھی شامل تھا جو کسی طرح زائل نہ ہو سکتا تھا اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خود آگسٹن بھی بعض دفعہ اپنی حالت پر افسوس کرتا اور اپنی زندگی پر نادم ہو جاتا اس نے اپنے حالات کی ایک

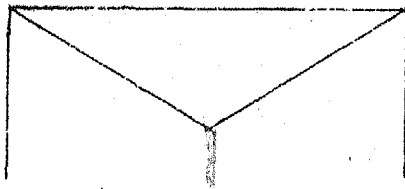
کتاب لکھی ہے جس میں اس کی کیفیت پوری درج ہے۔ اس کتاب کا نام کنفیٹشہ ہے۔ جب باپ کے اثر سے وہ اپنی زندگی برباد کر چکا تو ماں کا دودھ بھی خالی نہ گیا اور نیک نفس دیندار مینیکا کی گود میں جو خیالات منجھ سے دماغ میں بیٹھ چکے تھے وہ اب ابھرے۔ اس نے افعال سے توبہ کی اور خدا کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی مانگی چنانچہ وہ لکھا ہے۔ ”لے حقیقی آقا تو نے میری ماں کی دعا کو سنا۔ التجا قبول کی ہیں۔ سمجھا تھا اور دیکھتا تھا۔ کہ جس وقت وہ تیرے حضور میں حاضر ہوتی تھی اور اتنا روتی تھی کہ وہ جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی تو میں اس کی گریہ وزاری سے متاثر ہوتا تھا۔ یہ صرف اس نیک خصلت ماں کی صحبت کا اثر تھا جس نے مجھ بھولے بھٹکے کو روشنی دکھا کر تیرے حضور میں حاضر کیا۔ تم سب بیویوں نے سنا ہو گا کہ ماں کی دعا خالی نہیں جاتی۔ جس روز آگسٹن نے اپنے افعال سے توبہ کی ہے اسی روز مینیکا نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک جنگل میں باغ میں خاموش کھڑی ہے کہ دفعۃً ایک شخص نے آکر کہا ”مینیکا اس قدر خاموش کیوں کھڑی ہے؟“ اس نے جواب دیا ”میں اپنے پیارے آگسٹ کی بربادی پر رورہی ہوں“ اس نے کہا ”خوش ہو جا آج سے آگسٹن نے توبہ کی اور اپنی عادتیں چھوڑ دیں“ بیویوں کو روکے کی بربادی کا اثر ماں پر لگتا تھا۔ یہ خواب دیکھتے ہی مینیکا بچہ کی تلاش میں روانہ ہوئی۔ سمندر پار اور جنگل طے کئے اور آخر وہاں تک پہنچی جہاں اس کا پیا را بیٹا آگسٹن موجود تھا۔ اس وقت آگسٹن لکھا ہے رات ہو چکی تھی۔ آسٹریا کا ایک خوبصورت باغ ہماری آنکھوں کے سامنے تھا اور ہم ماں پیٹے خدا سے برتر و برحق کی عظمت پر بحث کر رہے تھے۔ دفعۃً صہبانے مجھے گلے دگایا وہ رونی اور کہا ”میری بیوی ایک آواز تھی کہ میرا لال دنیا کے واسطے ایک نمونہ ہو اور وہ روح جو میرے دودھ سے پی ہے۔ دنیا سے پاک صاف رخصت ہو۔ آج میری آرزو پوری ہوئی اب مجھے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں“

منیہ کا نے اسی رات انتقال کیا۔ مگر دیکھو پرورش کے یہی معنی ہیں کہ ماں اس کی ذمہ داری کو اسی حد تک سمجھے جس صورتِ اکرم کا ارشاد ہے۔ المرأۃ لمرأعیتہ علیٰ أو صناع و ولدک عورت اپنے شوہر کے گھر میں اولاد پر حکمران ہے۔ جب تم اپنے گھر کی با اختیار ملک ہو تو اپنے ہر فرض کو سمجھو اور اس کو پورا کرو۔ جب قدرت کسی لڑکی کو یہ خدمت سپرد کرے تو لازم ہے کہ وہ لڑکی ابتدائی سے ہر قسم کی احتیاط کو کام میں لائے۔ شاید پہلے بھی ضحکایہ یہ کہہ چکی ہوں کہ ایسے موقع پر بعض لڑکیوں کو قے اور جی منٹلانے کی شکایت ہو جاتی ہے اس کے واسطے میں نے پچھلے کسی لیکچر میں کوئی دو ابھی بتائی تھی اور آج پھر بتاتی ہوں۔ زہرِ جہرہ دریا کی ناریل۔ پیدتا۔ عرق کیوڑہ اور سیسٹک میں گھس کر پینے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں صرف بوجھ اٹھانا ہی مضر نہیں ہے بلکہ زیادہ چھینا کو ٹھیکہ پر چڑھنا۔ کسی ایسی کتاب کا پڑھنا یا ایسا گانا سننا بھی ٹھیک نہیں ہے جو موثر ہوئے انتہا خوشی اور معمولی غصہ بھی مضر ہے۔ لیپ یا چراغ بکھانے کے بعد جو دھواں بکھانا ہے اس کا بھی پیٹ میں پھینا اچھا نہیں تعلیق کا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نخبہ ہونے سے محفوظ رکھیں تازہ میوہ بالخصوص دریا کے قریب کی بہت مفید ہے انٹھڑ اور ناخن پر کاروائیوں کے ہاتھ سے بیسیوں بچے اور لڑکیاں ضائع ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان دانیوں کو کسی قسم کا علم تو ہوتا نہیں۔ صرف اپنی بڑی بوڑھیوں کو یہ ہمیشہ کرتے دیکھتی ہیں اور خود بھی دانی ہو جاتی ہیں۔ بچہ کی پیدائش کے وقت سب سے بڑی مہم وقت کی ہوتی ہے اور دانی کا معمولی کام جو ہر عورت کر سکتی ہے کہ پائپاؤ۔ لیکن اگر کوئی بات طبعی ہو تو یقیناً یہ انٹھڑ دانی منہ نکلتی رہ جائے گی۔ اس لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ ایسے موقع پر تجربکار پڑوسی لکھی دانی کو بلا یا جائے جب تک ایک آدھ بچہ نہ ہو جائے کسی عورت کو یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس کس چیز کی ضرورت کر کس موقع پر ہوگی سب سے پہلے ایسے موقع پر بہت سا پرانا گودڑ کا ربالا

صابن سے اچھی طرح دھو کر گھرمیں تیار رکھنا چاہئے۔ کیونکہ بہت سے کاموں میں آتا ہے۔
زچہ کے واسطے کم از کم چار پرائے مگر اچلے اور صاف چوڑے ٹلس کی چار پیٹیاں سر کے
دو کسا بے۔ چھ تولے بچہ کے واسطے دایو لیٹ فیس۔ پوڈر۔ بورک لوشن۔ فلائین
کے چار کڑے۔ ایک کنوپیپ۔ چار سینٹی پن۔ چار جوڑی مورے۔ شہد کی ایک شیشی اور
ایک چاقو تو ہر وقت گھرمیں موجود رہنا چاہئے۔ بچہ کے واسطے ایک کھٹولا حسب حیثیت
جس پر اس کا بچھونا بچھا ہوا اور جس میں یہ پتیریں ہوں ضروری ہے۔ ٹوشک لائی۔
چھ ہنپے تین تیکے۔ بارہ پوٹڑے جو مرکبوری لوشن سے ترک کر کے خشک کر دیئے
گئے ہوں۔ اس کے علاوہ ایک ٹپ ایک اسپنج۔ ایک بکس پوڈر لف۔ دھلی ہوئی
تلی کا تیل ایک بوتل روغن بادام۔ ایک شیشی ایک لوٹا اور ایک سہیل پچی۔

بچہ کی سپلائش ہوتے ہی اس کے منہ اور تمام جسم کی میل و آلائش بالکل صاف
کر دینی چاہئے۔ آنکھ کی صفائی نہایت ضروری ہے۔ اگر غفلت کی گئی تو ہمیشہ آنکھ
خراب رہے گی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بچہ پر سردی کا بہت ہی سخت اور فوری اثر
ہوتا ہے۔ اس لئے سردی کی حفاظت نہایت ہی ضروری ہے۔ موسم کے اعتبار
سے فلائین یا کوئی سوئی کپڑا اس کو اڑھا دینا چاہئے۔ اگر ممکن ہو تو گرم پانی کی بوتل
کپڑے میں لپیٹ کر اس کے بچھونے میں اس کے پاس رکھ دیں تاکہ ہوا کا زیادہ اثر
نہ ہونے پائے۔ اگر بچہ کا جسم ٹیلا ہو جائے ہونٹ کا پینے لگیں اور بدن ٹھنڈا ہو جائے
تو جان لو ہوائے اپنا اثر اس کی جلد پر کیا اور جلد اس کو گرمی پہنچانے کی کوشش کرو
ایک بگور اچھی خدایہ فنیق دے بچہ کے واسطے ضرور تیار کرو۔ اس میں یہ ہی ضروری
نہیں ہے کہ اس کے سر کے نیچے ہی تیکے ہوں بلکہ دونوں جانب کروٹوں میں تکیں
بھی ضرور ہوں۔ بچہ کا منہ ڈھکن غلطی ہے خصوصاً گہوارہ میں۔ کیونکہ یہاں تازہ
ہوا کی سخت ضرورت ہے۔ بچہ کو سنانے میں ماں کو بہت ہی احتیاط چاہئے ہر پہلو

سلانے سے سر میں پیدائش کے وقت جو نقص رہ جاتا ہے وہ بھی رفع ہو جائے گا بعض بچوں کی چھاتیوں پر ورم ہو جاتا ہے اور دبائے سے ایسا معلوم ہو جاتا ہے کہ دودھ سا مکمل رہا ہے۔ ایسی حالت میں روغن زیتون آمینہ آہستہ ملنے سے یہ شکایت رفع ہو جائے گی شروع شروع میں دو تین دن تک تیل کی مالش بہت اچھی ہے۔ ہنلانے میں مال کی احتیاط نہایت ضروری فرض ہے۔ کیونکہ پانی پڑنے سے اس کے پک جانیکا اندیشہ ہے۔ ہنדרہ روز تک تیل کی مالش اور پانی میں دودھ ملا کر ہنلانے سے بچہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ جو بچے کمزور ہوں ان کو پہلے دودھ اور پانی سے اس طرح ہنلاؤ کہ ہاتھ پاؤں کہنی۔ ران ہر عضو کو الگ الگ دھو لو۔ اور پھر روغن زیتون ملکر فوراً کپڑا اڑھا دو۔ دودھ پلانے کے بعد بچہ کو نہ ہنلانا چاہئے۔ ہنلانے کے بعد دودھ پلانا اور دیر تک سونے دینا ہمیشہ مفید ہے۔ بچہ اٹھانے میں بھی احتیاط لازم ہے۔ نشانے کے نیچے بایاں ہاتھ اس طرح رہے کہ سر اور نشانہ ہاتھ پر آجائے اور سیدھا ران اور کمر کے نیچے رہے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ بچہ کے سر کو جھٹکانہ پہنچنے پائے۔ یہ بہت خطرہ کی بات ہے۔ پوتڑے باندھنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ روئیں وار ملائم تولیہ کا رومال اس طرح باندھیں۔



ہمارے بچے اکثر بھڑے بھنی میں گرفتار رہتے ہیں کیونکہ ان کا لباس ٹھیک نہیں ہوتا بعض مائیں انگریزی تقلید میں گردن پر سلیکڑوں موٹی چنٹیں کر دیتی ہیں کہ رنگ اور حسیت ہو جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھیڑوں کو اچھی طرح پھیلنے کا موقع نہیں ملتا ہمارا اپنا لباس کچھ کم موزوں نہیں بشرطیکہ تنگ نہ ہو۔ کرتہ پانچ انچ نیلا

ہو۔ پاؤں میں موزے ہوں۔ نہا پکے اور پوڑے ایسے کپڑے کے ہوں۔ جو جذب بھی کر سکیں اور حرارت بھی پہنچا سکیں۔ خود ماں کا دودھ ہی ایک قسم کا مہل ہے لیکن کہ بچہ کو قبض کی شکایت ہو جائے تو ایک چمچ کسٹرائل تیرے چوتھے روز دیدینا چاہئے۔ اماں کی گھٹی بہت بُری چیز ہے۔ اور شیر خشک سے بھی ٹروڈ میڈا ہونے کا احتمال ہے بچہ کی صحت کا دار و مدار زیادہ تر ماں کی غذا پر ہی ہے۔ اس لئے ماں کو ایسی چیزیں جو بچہ کی صحت کے لئے مضر ہوں جب تک دودھ پلاتی ہو نہ کھانی چاہئیں بغیر ترکاری کا زیادہ گوشت۔ کچی ترکاریاں، تیز چار سخت کافی ثقیل چیزیں ضرور نقصان پہنچائیں گی جہاں تک ممکن ہو ماں کو خود ہی دودھ پلانا چاہئے کیونکہ قدرت کے انتظام کا نقصان بہت مشکل سے پورا ہوتا ہے۔ رات کے دس بجے سے پانچ بجے تک بچہ کو کبھی نہ جگانا چاہئے اور کوشش یہ کرنی چاہئے کہ اس عرصہ میں جہاں تک ممکن ہو بچہ کو دودھ نہ دے۔ جب بچہ کو اس کی عادت پڑ جائیگی تو ماں بہت سی تکلیفوں سے بچے گی اور ان پھوٹاؤں کی طرح جو رات بھر جھپٹ جھپٹ کر دیتی رہتی ہیں۔ دوسروں کو ہنسنے کا موقع نہ دے گی۔ اگر بچہ رات کو جاگ اٹھے اور روئے تو ایک چمچ لکٹنا پانی پلا دیئے۔ رد مال بدلنے اور دوسری کروٹ سلا دینے سے بچہ فوراً سو جائیگا۔ چار گھنٹے سے کم میں دوبارہ دودھ پلا دینا بچہ کی تندرستی خراب کرنا ہے۔ نا تجربہ کار مائیں بچوں کو وقت کا پابند نہیں کرتیں اور آگے چل کر سخت تکلیف اٹھاتی ہیں۔ اگر دودھ پینے کے بعد بچہ کو ہضم نہ ہو اور نکل جائے تو سمجھ لو کہ دودھ میں چربی ضرور زیادہ ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ دودھ پلانے سے پہلے ایک چمچ چھوٹے کے پانی کا بچوں کو پلا دوں تاکہ دودھ میں حل ہو کر ہضم میں مدد دے۔ بعض مائیں اپنا دودھ ناکانی سمجھ کر بچوں کو شیشی پر لگا دیتی ہیں اور دونوں دودھ آدمی اور جانوروں کا مل کر نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس لئے جب تک ماں اپنا دودھ

پلا رہی ہے وہ ہرگز دوسرا دودھ نہ دے۔ اگر ضرورت مجبور کرے تو دونوں قسم کے دودھ پلانے میں کم از کم دو گھنٹہ کا وقفہ ضرور ہو۔ رنجِ عصۃ اور صدمہ کی حالت میں بھی بچہ کو دودھ نہ پلانا چاہئے ورنہ بچہ بیمار ہو جائیگا میں نے ایسی مائیں دیکھی ہیں جو بچوں کو چینی دینا اچھا سمجھتی ہیں۔ لیکن میں چینی دینا بعض دفعہ بہت مضر ہوتا ہے۔ زیادہ تھوک نکلنے سے بچوں کو بد مزہ می ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں بچہ کو دو برس دودھ پلانے کا حکم ہے اور ڈاکٹر بھی تحقیق و اسامی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جب تک آٹھ دانت نہ نکل آئیں دودھ نہ چھڑانا چاہئے دانتوں کا نکلنا ایسا نازک وقت ہے کہ بہت سی مائیں محض لاپرواہی سے معصوم بچوں کو قیروں میں پہنچا دیتی ہیں۔ اگر وہ ابتدا سے احتیاط کریں تو ہرگز دانت نکلنے میں بچوں کو یہ فتنے جو پیش آتی ہیں نہ آئیں ایسی غذاؤں سے جس میں نشاستہ کا جز زیادہ ہوتا ہے یا خراب دودھ پلانے سے معدہ بگڑ جاتا ہے اور اس سے بہت سے امراض خصوصاً ام الصبیان پیدا ہو جاتا ہے جو دانت کی تکلیف میں اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ جو بچوں دانت نکلنے شروع ہوں بچہ کی غذا میں تبدیلی ہونی ضروری ہے اور اگر اس عرصہ میں کسی قسم کی شکایت بچہ کو ہو جائے تو فوراً اس کا علاج کرنا چاہئے۔ تشنج یا خفیف بخار میں سفوفِ داہنی یا کسٹرائل دینا بہت اچھا ہے اور ان معمولی شکایت کو دفع کرتا ہے۔ دانت نکلنے وقت سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ دودھ وقت مقررہ پر پلانا چاہئے اور اس وقفہ میں اچھی طرح پانی پلانا چاہئے جس قدر زیادہ سے زیادہ ممکن ہو تازہ ہوا بچہ کو نہ پائیں اور غذا ضرورت سے زیادہ نہ کھانے کو دیں۔ نہ ایسی چیزیں جو دیر ہضم اور ثقیل ہوں دانت نکلنے میں مسوڑھوں میں سلسلا ہٹ ہوتی ہے۔ ماں ان دنوں میں الیکٹرا نہ پیے جس کا رنگ چھٹا ہو کیونکہ ہر چیز مسوڑھوں میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے ایسے موقع پر لہٹی کی چینی یا باقی دانت کی انگریزی چینی مفید ہے۔ انیون کا دینا بچوں

کے لئے بہت برا ہے جو آئندہ اُن کو سست اور کاہل بنا دیتا ہے۔
تقریر ختم ہوئی تو انجمن کی طرف سے شکریہ ادا کیا گیا اور نسیم بیگم وہاں سے روانہ ہو کر اپنے گھر آئیں۔

(۱۰۳)

مرالہ کا گھر یہی ہاتھ سے جا رہا تھا ورنہ کچا نسیم بیگم اور کجا یہ انجمن کی تقریریں لیتے دنوں بعد جو گھر پہنچیں تو سب نہال نہال ہو گئے۔ پرچہ نمک کی بیویاں آئیں شکوے ہوئے شکایتیں ہوئیں کسی سے معذرت کی کسی سے معافی مانگی۔ غرض وہی نسیم بیگم وہی بچے اور وہی اوقات۔ اب نسیم کی شادی کو بیسواں سال تھا۔ پہلوئی ٹی کا ایک بچہ ضائع ہونے کے بعد جس طرح اس نے خلق اللہ کو فیض پہنچایا اسی طرح قدرت نے اس کی بہن بڑھائی۔ وہ اس وقت چھ بچوں کی ماں تھی بڑا لڑکا دس سال کا تھا اور دس سال میں بی۔ لے کی تیاری کر رہا تھا اور اس سے چھوٹی تسنیم تھی تو پندرہویں برس میں مگر ماشاء اللہ اس قیامت کا اٹھان تھا کہ نسیم بھی اس کو دیکھ کر سہمی جاتی تھی۔ اس سے چھوٹے دو بچے اور دیکھو بی بیکیاں۔

دنیا اپنے کاموں میں مصروف اور قدرت کے قانون خاموشی کے ساتھ اپنا فرض ادا کر رہی ہے۔ نسیم بیگم کی پیش قیمت زندگی کی صبح دوپہر ہوئی اور بالآخر وہ وقت بھی آپہنچا جب یہ دوپہر ڈھلنی شروع ہوئی اور آفتاب نصف النہار پر آگیا۔ کل کی بات ہے کہ بی نسیم بیگم اس فانی دنیا میں بچہ بغض اور پھر وہ دن بھی آیا جب بہن بکر بھوپتی کے گھر سے رخصت ہوئے گھر کی ملکہ لہ ساس کی بیوی نہیں۔ مگر نسیم کی زندگی ایک دریا تھا جس کی لہریں ہزار ہا بندگانِ خدا کو سیراب کر گئیں۔ ایک چمن تھا جس کے پھول ایک عالم کو معطر کر رہے۔ بیٹی بنی تو ہیرا۔ بیوی بنی تو پار۔ ماں بنی تو کندن اور انسان بنی تو چندن۔ زندگی کی کسوٹی پر جو اہرات کی طرح چمکی اور کوہ نور کی طرح دیکھی۔ دنیا نے اس کے افعال سے لڑائی لڑائی برپا کر رکھی اور عالم بالا کی مقدس روحوں نے اس کے اعمال پر حسین کی عکاسی پیش یہاں حصہ خدا کی عبادت اور خلق خدا کی خدمت میں صرف ہوا تھا۔ آوازِ بے غنی جلیلہ و دار ہو گئے ہاتھ پاؤں میں وہ کس نہ رہا جسم میں تو انائی نہ رہی۔ مہرے پر سو درے نہ لہنے اور بھی

غضب ڈھایا کہ چاروں ڈار میں نکل گئیں۔

تسلیم کا فکر تسلیم کے سر پر ہر وقت سوار تھا۔ مگر خوش قسمتی سے یہ فکر زیادہ نہ رہا اور پھوپھی کی دوراندیشی نے جلد تسلیم کو اس سے ہلکے وزن کر دیا۔

لڑکے تو کنبہ میں بہت تھے مگر سب ناکارہ نالائق اور آوارہ۔ ہاں اس کی حقیقی ماموں زاد بہن کا لڑکا بسا غنیمت تھا۔ تسلیم کی ٹہرت کا ڈنکا چار دانگ عالم بچ رہا تھا جس نے تسلیم کو چار چاند لگا دیئے لڑکے والوں کا اشارہ پاستے ہی سمجھ کر نہ ہاں کر لی اور تار پٹھری قسمی بیٹی کے بیاہ پر ایک جہینہ کی جھٹی لے کر آیا۔ تسلیم ان پھوپھیوں میں نہ تھی کہ بہن وقت پر شوہر کے آگے مصیبت کا ہاتھ ڈال دیتی تسلیم دو ہی برس کی تھی اس نے آنے والے وقت کو سوچا اور چونک کر ہوسکا کبھی دوپٹہ کبھی پاجامہ کبھی قمیص کبھی مصالحہ لیا۔ اور اس دن کے واسطے رکھ دیا۔ قسیم گھبرا رہا تھا کہ دیکھئے بیٹی کیا کچھ اٹھو کر پیچھا چھوڑتی ہے۔ مگر تسلیم نے چودہ جوڑے نہایت قیمتی کپے لگائے۔ سلا کے میاں کے آگے ڈال دیئے۔ بہت سی چیزیں اپنے خیر کی محفوظ نگہداشتیں وہ ملائیں اور زیور کے سوا کوئی بوجھ میاں کے سر پر نہ رکھا۔ وداع کا دن آیا تو تسلیم صبح کے وقت ایک کونے میں تنہا بیٹھی تسلیم کی جدائی کا خیال کر رہی تھی کہ قسیم جڑاؤ گلو بند لیکر آیا اور کہا بیگم میری رائے میں مالا موقوف کر دو۔

تسلیم کی پندرہ برس کی کمائی تسلیم جیسی بیٹی ماں سے چھوٹ رہی تھی۔ بیٹی کا فراق ہوا بات نہ تھی۔ سوچ رہی تھی کہ تسلیم اپنے گھر علی۔ آنکھ بند کر کے پندرہ برس گزر گئے۔ میری بیٹی اس گھر کی مالک نہیں میری جہان تھی۔ آج اس کی جہانداری ختم ہوئی اور وہ مجھ سے میرے گھر کی رخصت ہوتی ہے۔ یہ کیسی غریب بچی جس نے آج تک کچھ کچھ نہ دیا۔ بار بار ہاتھ پائی بیسیوں دفعہ گھڑکا اور منہ دیکھ کر چپ ہو گئی۔ یہ اس کے سوئے کا کونہ پیچھے کا کمرہ کپڑوں کی الماری کچھ سیل سے چلا ہوتے ہیں اس کا بچپن میرے سامنے ہے۔ بچا کھانسی کی مار میں کھائیں باپ کا غصہ سہا اور کچھ آہن نہ کی۔ دو برس کی جان رات بھر کے لیے چچی بہان کے بھونوں میں اکیلا چھوڑ گئی۔ واپس آئی ہوا

کس طرح نگلیں ہاتھ ڈال کر چٹی پٹیش نے اس کی قدر نہ کی۔ وہ میری محتاج تھی جو ہاتھ اٹھا کر دیا وہ کھالیا جو بنا دیا وہ بین لیا۔ کیا خبر اس کو اب تقدیر کیا دکھائے۔ ایک دن کی بیابانی کا سہ کو سوں پر پہنچا رہی ہے میں ہونگی میرا گھر ہو گا میرے بچے ہوں گے مگر اب تسلیم کہاں نہی دینا۔ اجنبی لوگ۔ انکی باتیں۔ کوئی خبر لاؤ والا نہ ہو گا کہ کیا گزری۔ جہینہ سیر بھی تو نہیں ہوا تب میرے بہر کو کھوکھی لگی۔ سالن نہ پہنچا تھا۔ لہسن کی چٹنی سے روٹی کھا اٹھا کھڑی ہوئی میں اس کو اپنا کیا منہ دکھاؤں اور کس دل سے رخصت کروں۔ کلچر پر یہ خیال تیر ہر سار ہے تھے کہ تقسیم نے اگر گلیو بند ڈالا۔ بیتاب ہو گئی۔ آنسو مکھل پڑے تقسیم نے پاس آکر لتی دی تو دل بھڑایا۔ روٹی ہوئی اٹھی اور دیاں کی کہہ کر پیٹ گئی۔

”خدا کا واسطہ میرے رخصتوں پر تک نہ چھڑکے“

”تسلیم کا حصہ آج تمھاری کمائی اور میرے مال میں سے ختم ہوتا ہے۔ وہ ہم کو چھوڑتی ہے یہ ہمارے رحم کا وقت ہے۔ سرکار میری بچی کو گلو بند بھی نہ دو تو آٹ کر نہ والی نہیں۔ مگر سسرال اس کا کلچر طعنوں سے چھلنی کر دیگی۔ جو زبان ہی کہہ چکے ہو اس کی تعمیل اور جو ارادہ کہہ چکے ہو اسے پورا کر دے وہ گھڑی گھڑی تم سے لینے نہ آئے گی۔ گھر اس کے قدموں کو۔ میں اس کی صورت کو اور مانتا اس کی آواز کو تر سے گی۔ مگر وہ مجھ سے ہزاروں کوس دور ہوگی۔ اس کی ممکن صورت بھولی باتیں آنکھ کے سامنے ہوں گی۔ اس کی چہرے نظر کے رد ہوں گے۔ مگر پیاری تسلیم خدا اس کی عمر دانہ کرے میرے پاس نہ ہوگی۔ فصل کے میوے موسم کی ترکاریاں۔ اللہ تمھارے بچوں کو نصیب کرے۔ میں تو آئیں گی۔ مگر تسلیم کا حصہ اس میں نہ ہو گا۔ تم اس روز اپنا کلاس ٹوٹنے پر اتنے خفا ہوئے۔ آج کہتی ہوں خدا کی قسم تسلیم بے قصور تھی کلاس و تسلیم نے توڑا تھا مگر اس کی زبان تمھارے سامنے نہ آئی۔ باورچی خانہ میں جا کر رہنے لگی میں نے آواز دی تو اڑھنی آنسو پونچھ پھری پٹھن کے پیچھے آئی۔ ساری ساری رات بچوں کو کوئی ایک ماٹنگ سی بھری ہے۔ اس نے گھر کی خدمت ماماؤں زیادہ کی ہے۔ اس کا حق کاٹ کر مجھے تکلیف نہ دو“

اما تقسیم اور تسلیم دونوں کی تھی۔ بیوی کا یہ بیان اتنا درد انگیز تھا کہ اس کی بھی

روتے روتے ہچکی بندھ گئی آٹے پاؤں گیا اور مال لے کر آیا تو تسنیم نے کہا۔
 ”تم چونکہ زبان سے کہہ چکے تھے اور سب کو یہ خبر ہو گئی تھی کہ مالاہیز میں ہی اس لڑکی اب
 نہ دینا مناسب نہ تھا۔ صرف اس لئے میں نے تم سے کہا لیکن تمھاری رائے نہ ہو تو نہ دو۔“
 تسنیم ”میں خود ناام ہوں کہ جس بات کو زبان سے نکال چکا تھا۔ اس کے پورا کرنے
 کا خیال میرے دل سے کیوں نکل گیا۔ اب تم بسم اللہ کرو۔“
 وداع کے دو سرے روز تسنیم اپنے شوہر کے ساتھ حیدر آباد روانہ ہوئی۔ اس کے
 دل پر جو کچھ گزری وہ تو وہی اچھی طرح جانتی ہوگی مگر پانچویں روز کی ڈاک میں اس کا خط آیا
 تو ماں نے جو خط لکھا وہ یہ تھا۔

تسنیم پیاری کو گھر بھر کی دعائیں۔ تمھارا خیریت سے پہنچنے کا تائد اگیا تھا۔ مگر
 آج تک خط نہ آنے سے طرح طرح کے وہم دل میں آ رہے ہیں۔ تسنیم پیاری جس ماں
 تم جیسی بیٹی جدا ہوئی اُس کی کیفیت کا خود ہی اندازہ کر دینے دل جو اب صرف اس لائق
 رہ گیا ہے کہ تمھاری یاد میں ٹرپے اور تمھارے خیال میں پہلے۔ خیریت کے دو حرف
 لکھ کر اس کی پیاس بجھا دیں جس جانتی ہوں کہ تم خود پریشان ہو گئی۔ مباح فراق ہی اور تازہ
 جدائی۔ ماں باپ اور بہن بھائی سب آنکھ کے سامنے ہونگے۔ مگر بیٹی زندگی کا انقلاب اس
 خواب کی تعبیر ہے جو عورت کی روح نے عالم بالا پر دکھا اور جس پر حیاتِ نسوانی کا دارِ ابد
 ہے میرا دل دیکھو۔ تم جیسی سچی جس کو راتوں سینوں پر لٹایا اور چھاتی پر کھلایا اُس کو اپنے
 ہاتھوں ہزاروں کوس دور بھیج خالی ہاتھ ہو بیٹھی کیا کروں دنیا کا یہی دستور ہے۔ بھوپتی
 جان جیسی ماں تنہوں نے اپنی زندگی مجھ پر مٹا دی۔ آج ایک شہر میں بیمار پڑی ہیں اور گھر
 کے وچندوں۔ دنیا کے کچھڑوں سے اتنی فرصت نہیں کہ گھڑی بھر کر ہو آؤں۔ مجھ جیسی
 ہزار ماں ایسی بھوپتی پر قربان ہوں جو بیماری میں بھی میرا کمر بٹھ رہی ہیں میں اُن کے
 مقابلے میں تمھاری آدمی خدمت اور چوتھائی محبت بھی نہ کر سکی۔ دم بھر نہ کچھ تھیں

تو بچپن ہو جاتی تھیں لیکن جدائی اہل اور فراق اُن مٹ تھا جن ہاتھوں سے لوریاں بنے تھے
 کہ چٹیا تھا اُن ہی ہاتھوں سے پاکی میں سوا کر دیا۔ نکاح عورت کی شرافت کو پرکھنے
 کی کسوٹی ہے۔ بڑوں کی لایع اور باپ دادا کی عزت اس وقت عورت کے ہاتھ ہے۔
 مرد کو تکلیف کا سامنا کر بھر رہتا ہے لیکن عورت کی آزمائش کا وقت یہی ہے اس
 کٹھن راستے کی ابتدائی منزلیں کڑی ہیں۔ ہمت سے بڑے کر لو لالوں کی لال ہوگی۔
 تم بٹا ہر تنہا ہو مگر نہیں سادات کا خون بھارے ساتھ میر تقی جسبے دادا اور میرزا
 جیسے نانا کی شان تھا رے ہاتھ مغل میں صبر رنج میں شکر سختی پر خوش زیادتی بڑھاؤں۔
 ہر حال میں راضی ہر حالت میں رضا۔ عورتوں کا شیوہ ہے مصیبت سے گھبرانا۔
 آفت سے اکتانا۔ لاپرواہی سے ہراس۔ بے اعتنائی سے بدحواس جو ہر شرافت
 نہیں تسلیم پیاری کواریتہ ایک نعمت تھی وہ بے فکری کے دن اور اطمینان کی
 راتیں ماں کی دہلیز اور باپ کے گھر ختم ہو گئے۔ اصلی گھر وہی تھا جہاں پہنچ گئیں۔
 یہ کوچ تھا وہ مقام یہ پردیس تھا درویش۔ یہ سفر تھا وہ گھر یہاں کی محبتیں جھوٹی
 تھیں۔ یہاں کے تعلقات عارضی یہاں کی باتیں یہاں تھیں اور وہاں کے معاملے
 وہاں۔ اب جو بولوگی وہ کاٹوگی۔ جو کروگی وہ پاؤگی میں ماں تھی ناز برداری میر کا
 اور خوشامد میرا جو سن محبت تھا۔ مگر اس غیر میں کتنے چینی اُن کی طبیعت اور اخلاص
 اُن کی طینت ہوگی میں ہنسنا تھی اور روتی تھی وہ رولائیں گی اور نہیں گی۔ نئے
 دلوں میں گھر کرنا آسان نہ ہو مگر مشکل بھی نہیں۔ اطاعت کے بیٹھے پھیل اور خدمت
 کے شیریں غر تھا رے سامنے موجود ہیں۔ بہن بھائیوں کا خیال اور ماں باپ
 کی محبت ختم نہ کرو۔ یہ رشتے وہاں کام آنے والے نہیں۔ ہاں زندہ عزیزوں اور
 بزرگ روحوں کی آنکھیں بھاری اس نئی زندگی پر لگی ہوئی ہیں تسلیم پیاری بہت
 نازک وقت ہے۔ ایسا نہ ہو بزرگوں کی نظر نا شاد واپس ہوں اور ہماری امیدیں اظہار میں۔

(۳۴)

تسلیم کی شادی کو سترھواں دن تھا کہ وسیعہ کے امتحان کی کامیابی کا مارا آیا۔
 اس کی شادی کا التوا صرف بیٹے کا انتظار تھا۔ وسیعہ کی چھٹی میں دس بارہ روز باقی تھے۔
 بیٹی والوں نے تقاضہ کیا تو نسیمہ بھی رضا مند ہو گئی اور شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔
 نکاح سے دو روز قبل صبح کے وقت ایک روز نسیمہ نے سمجھن سے اپنے آنے کی اجازت
 مانگی۔ وہ بیچارے اگلے زمانہ کے لوگ۔ ان باتوں کو کیا سمجھتے۔ لڑکی کی ماں پریشان ہو گئیں
 بے وقت سمجھن کا آنا کیسا۔ طرح طرح کے وہم آنے لگے۔ کہلا تو بھیجا کہ: "دوا پوچھو اسے
 کی کیا ضرورت تھی۔ تمھارا گھر بے شوق سے آجائیں" مگر دل کا الٹ ہی حافظہ تھا کبھی یہ
 خیال ہوتا تھا کہ کسی نے لگائی بھائی کی۔ کبھی یہ سوچتی تھیں کہ بات الگ ہو گئی کسی پر
 غصہ کسی چغلی۔ اس پر بھی صبر نہ آیا۔ تو دہن ہی کے سر ہو گئیں۔ کہ تجھ جی ننھو سٹی خدا دشمن کو
 کونہ دے۔ اول تو کوئی بات ہی ڈھنگ کی نہ بڑی۔ اور جو بی کے بھاگوں ایک آدھ جگہ بھینکا
 ٹوٹا تو وہاں یہ پتھر پڑے خبر نہیں کہ کون سا بھاگوں وقت ہو گا جو اس گھر سے غارت ہو گی میری
 ہی تقدیر میں دو دو پتھر بھی تھے کہ کسی طرح سرکاٹے نہیں سرکتے۔ دن کی بھوک رات کی نیند سب
 اڑ گئی مگر تم کبھی کسی طرح نہیں اڑتیں میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ میل منڈھے چڑھنے والی نہیں
 کجاوہ لوگ تو ٹروں کے رئیس۔ اصل نسل سید گھر کے مالدار۔ کوئی ڈپٹی۔ کوئی تحصیلدار
 کہاں ہم بد نصیب۔ دن بھر کو تر۔ رات بھر تاش اور شطرنج۔

بیچاری بگڑ رہی تھیں کہ نسیمہ بیگم کی سواری پہنچی دیکھتے ہی رنگ فاق ہو گیا۔ گلے تو
 مل لیں مگر بیٹی ہوئی منہ تک ہی ہیں کہ دیکھیں بیٹی کی تقدیر کا کیا فیصلہ ہوتا ہے کچھ دیر تک نسیمہ
 ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی مگر سمجھن کیا خاک جواب دیتیں۔ بیٹے میں چوسے دوڑ
 رہے تھے۔ جوں جوں دیر گتی تھی ان غریب کا خون خشک ہو رہا تھا۔ آخر تاب ضبط نہ رہی
 تو کہہ ہی دیا کہ "آپ نے یہ بے وقت کیوں تکلیف فرمائی خیر تو سہ ہے"

بسم اللہ۔۔۔ جی ہاں اللہ کا شکر ہے کچھ باتیں ایسی تھیں کہ جن کے طے کرنے کے واسطے میرا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا۔ زمانہ کی رسم کے بموجب شاید آپ اجزادی صاحبہ کا آنا میرے سامنے پسند نہ کریں گی۔ گو میری ہزار دفعہ کی دیکھی اور میری آنکھوں کے سامنے چھوٹی سے بڑی ہوئی ہے۔ ابھی تین چھپنے بھی نہیں ہوئے کہ چھوٹی جان کے ہاں ملی تھی۔ مگر اتنی عنایت ضرور کیجئے کہ اُن کو بھی گفتگو سننے کا موقع دیدیجئے تاکہ اُن کی رائے بھی شامل ہو جائے۔

اب تو دہن کی ماں کی باچھیں کھل گئیں۔ کمرہ کی پشت پر کوٹھڑی تھی دہن اس میں بیٹھی تھی۔ کہنے لگیں۔ ”آپ شوق سے فرمائیے وہ یہاں موجود ہے۔“ بیٹنکر نسیمہ نے کہا۔ ”ہن اگر کوئی بات مرضی کے خلاف ہو تو اس وقت کہہ دینا تاکہ دل صاف ہو جائے ہمارے ہاں سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی بات ناگوار بھی گزرے تو اس کو پی کولیں بل لے بیٹھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ میل بڑھتے بڑھتے بیل ہو جاتا ہے۔ میں خدا کا شکر ہے۔ تین لڑکیوں کی ماں ہوں اور آج بائیس دن ہوئے کہ ایک بیٹی کو بیاہ چکی ہوں۔ اس لئے مجھے یہ بہو بیٹی سے کم عزیز نہ ہوگی اور مجھے لعجب ہوتا ہے ان ساسوں پر جو بیٹیوں کی ماں ہونے پر بھی بہوؤں کو بیٹیاں نہیں سمجھتیں۔ آپ کو معلوم ہے میں نے نسیمہ کے ہاں تمام فضول رسمیں اڑادی تھیں۔ چالے جن کی میں اس لحاظ سے برا نہیں سمجھتی کہ لڑکی کا دل دونوں جگہ آمد و رفت میں زیادہ نہ گھبرائے اور وہ سب سال سے اچھی طرح مانوس ہو جائے مگر اس لئے کہ اس میں بھی فضول روپیہ صرف ہوتا ہے میں نے پسند نہ کئے اور چونکہ دولہا کی چھٹی ختم ہو رہی تھی۔ نکاح کے تیسرے ہی روز حیدر آباد روانہ ہو گئی۔ تاہم وہ لوگ بہت سی اگلی باتوں کے پابند تھے اور میں نے اُن کی دل شکنی مناسب نہ سمجھی لیکن آپ سے اتنا ضرور کہو گی اگر آپ پسند کریں تو پڑو۔ کو ضائع نہ کریں میں زیور کو بھی اگر آپ ناخوش نہ ہوں تو زیادہ پسند نہیں کرتی سونا آج

ہم پچیس روپے تو لے لیتے ہیں لیکن جب بازار میں بھیجتے ہیں تو ٹانکے کی وجہ سے ٹھیس اور ہائیں کے دام ملتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ آپ کو جو کچھ لڑکی کو دینا ہو اور جو کچھ میں پیش کروں اس سب کی کوئی جائیداد لڑکی کے نام کی ہو جائے تاکہ وقت بے وقت کے واسطے ایک سہارا ہو آپ فرمائیے تو میں پانسو آدمیوں کی برات اور ہزار سے زیادہ سترھنیں لے آؤں۔ مگر کیا فائدہ سیدھے سادھے طریقے پر مسنون کاغذ ہو جائے۔“

سمدھن: ”بوا بھجے تمھاری رائے سے تو اتفاق ہے مگر آج کل لڑکیاں زیور کو زیادہ پسند کرتی ہیں اور وہ گھڑی دہن ہی کیا جس کی انگلی میں انگوٹھی بھی نہ ہو۔“
 فیسلمہ: ”یہ معمولی زیور جو آپ مناسب سمجھیں دیدیجئے۔ میں اس کو منع نہیں کرتی۔“
 سمدھن: ”اچھا تو میں اس کا جواب سوچ کر دوں گی۔“

فیسلمہ دو پہر تک ٹھہری اور اس کے بعد اپنے گھر گئی۔ ساس کی گفتگو کا اثر ہو پر بھی ہوا اور گوماں مشکل سے متفق ہوئی تھی مگر بیٹی نے رضامند کر لیا اور میاں وسیم کی شادی میں جو کچھ فریقین کا صرف ہونا اس کی جائیداد لڑکی کے نام کی خرید لی گئی۔

(۳۲)

شادی کے بعد اب فسیم کو بیٹے کی ملازمت کا فکیر ہوا۔ حکام سے تعلقات دیرینہ اور اچھے تھے۔ باپ دادا کی خدمات بھی کم نہ تھیں۔ اپنا ذاتی اثر بھی معقول تھا تحصیلداری ملنا کچھ ایسی بات نہ تھی۔ مگر اتفاق کی بات کہ دو سال ناخرد ہوا اور دونوں دفعہ ناکام رہا۔ فسیم نے اس ناکامی کو معمولی بات سمجھا مگر وسیم کا دل کھٹا ہو گیا اور وہ بیرسٹری کے واسطے تیار ہوا۔ بیوی کی نہ خیر باتوں میں ضرور تھی۔ مگر دونوں سمجھا رہے تھے شادی اس ارادے میں جاری نہ ہوئی بیوی بھی سمجھ گئی کہ تین چار برس آنکھ بند کر کے گزر جائیں گے مگر نوکری کی غلامی سے تو عمر بھر کو اطمینان ہو گا۔

فیسلمہ کی ضعیفی کا عالم تھا اور اس کا دل خوشی سے گوارا نہ کرتا تھا۔ کہ اس وقت میں

بیٹے کو اتنے عرصہ کے لئے جد اکریے۔ مگر شوہر کا اصرار بیٹے کی اتجا، بیوی کی رضامندی، ہاں کرتے ہی بنی اور سفر کی تیاریاں شروع ہو گئیں روانگی کا دن آیا تو حسین بھی یہاں موجود تھا۔ مغرب کے وقت وسیعہ تیار ہو کر آیا۔ ماں نے نماز مغرب کا سلام پھیرا۔ ادھر اس نے ماں کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ بیٹے کا سر کلیجے سے لگایا۔ ماتھے پر پیار کیا۔ دعا دی اٹھی اور دروازے تک پہنچنے آئی۔ چپکے چپکے دعا پڑھی۔ وسیعہ سلام کو جھکا تو دم کیا۔ دل اندھا چلا آ رہا تھا۔ مگر ضبط کو کام لے رہی تھی۔ وسیعہ کی آنکھ میں اس وقت آنسو دیکھ کر اور بھی بیتاب ہو گئی۔ رگڑ کر کہتا ہوا: "خدا حافظ۔ اللہ عمر میں برکت دے۔ کامیاب کرے۔ اسلام پر ثابت قدم رکھے۔"

وسیعہ ماں کی گود میں سر رکھے کھڑا تھا۔ ہاتھ اس کی گردن میں تھا اور آنسو گر رہا تھے لیکن نسیہ کو عورت تھی مگر جانتی تھی کہ میری حالت اس کے سامنے خراب ہوئی تو رستے بھر پریشان رہے گا۔ طبیعت زیادہ بگڑنے لگی تو مگر یہ ہاتھ رکھ کر زور سے بھینچا اور آواز کو روکے اندر سے کمرہ میں آ، روتی ہوئی ہلنگ پر گر پڑی۔

وسیعہ کا خط بڑا کس میں بلاناغہ آتا رہا۔ مگر نسیہ اور وسیعہ دو بچوں کی جدائی نے گودہ عارضی تھی۔ نسیہ کی کمرہ تھ توڑ دی۔ بیوی کی یہ کیفیت دیکھ کر قسیم نے دو سال کی رخصت لی۔ جہاں تک ممکن ہوتا بیوی کا دل بہلاتا۔ اس کو سمجھاتا اور غم غلط کرتا۔ وسیعہ تین امتحانوں میں کامیاب ہو چکا تھا۔ صرف ایک آخری امتحان باقی تھا۔ ماں کو ایک ایک دن ایک ایک سال ہو گیا۔ وہ درحقیقت اپنی ہی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی۔ کوئی خاص مرض تو نہ تھا مگر کمر میں ہر وقت درد رہتا۔ نزلے کی ہمیشہ شکایت رہتی چلتی تو سانس پھوٹتا۔ آئی تو پھر لڑتے۔ خدا خدا کر کے جدائی کا زمانہ ختم ہوا۔ وسیعہ آخری امتحان میں کامیاب ہوا تو نسیہ سجدہ شکر بجالائی۔ آدھی رات کے قریب تار آیا تھا۔ اٹھی وضو کیا۔ دو رکعت نماز ادا کی اور دیر تک بیٹھی روتی رہی روچکی تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا۔

"مولا میری کس کس نعمت کا شکریہ ادا کروں۔ مجھے جیسی ناکارہ انسان پر ایسی اکرام

اور رحم و کرم تیری ذات تجھ ہی کو سراوا رہے۔ وسیع میری زندگی میں کامیاب ہوا۔ تیرا فضل شامل حال ہے تو میرا لال قریب ہے کہ میرا کچھ ٹھنڈا کرے۔ اب آرزو ہے کہ ان بچوں کو زندہ چھوڑ کر تیری خدمت میں حاضر ہوں۔“

وسیع واپس آیا تو گاڑی کے آنے کا وقت سوا نو تھا مگر ماتا کی ماری ماں نو بجے ہی سے دروازے میں آکھڑی ہوئی تھی۔ وسیع ماں کے خیالات اور اس کی عاد سے اچھی طرح واقف تھا۔ رستے ہی میں کپڑے بدل، سیدھا سیدھا مسلمان بنا دروازے میں داخل ہوا۔

کہ اتنے میں آگے نظر جو پڑی

تو دیکھا کہ رستے میں ہی اکھڑی

نیمہ کا دل پہلے ہی بھرا آ رہا تھا۔ بچہ کی صورت دیکھتے آنکھیں جو چار برس اس کی صورت کو ترس رہی تھیں ہلکا اٹھیں وسیع سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔

وہ رو رو کے دو ابرغموں سے

کہ جس طرح ساون کی بھادوں سے

رونا دھونا ختم ہوا تو سب نے مل کر کھانا کھایا۔ ماں کی داستانِ مصیبت باپ کی زبانی سن کر وسیع بہت رویا اور آدمی رات حرفِ حکایات میں بسر ہو گئی۔ دو بچے کو قریب سب پر کر سوسے مگر چار بھی نہ بچے ہوں گے کہ وسیع گھبرا کر اٹھا۔ غصے کی۔ دست آیا۔ ماں اور باپ دونوں گھبرا گئے۔ ڈاکٹروں کو بلا یا حکیم آئے۔ دوا درمن نسخہ ٹھنڈائی اپنی کرنی میں کسر نہ رکھی مگر نسیم کی جان وسیع صرف ایک دن کا مہمان تھا۔ شام کی پہلے ختم ہو گیا۔

(۳۳)

جس ماں کی آنکھوں کے سامنے سے وسیع جیسا کہ ٹیل جو ان اٹھ جائے اسی کے دل سے پوچھنا چاہئے کہ کیا گزر گئی۔ سچ یہ ہے کہ وسیع خود مگر زندگی کے تمام جھگڑوں سے

چھوٹ گیا۔ گریاں کو زندہ درگور کر گیا۔ رات رات بھر چپٹی بٹہتی۔ پک سے پک جھپکانی حرام تھی اور سارے سارے دن گم سم بنی رہتی۔ کھیل کا دانہ اڑ کر منہ میں نہ جاتا۔ ایک لمحہ کو بھی لال کا خیال اس کے دل سے دور نہ ہوتا۔ ہر وقت اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے تھی روتے روتے دونوں آنکھوں میں ناسور پڑ گئے۔ مگر ماتا کا وہ دریا جو آنسو بن کر بہتا تھا کسی طرح ختم نہ ہوا دنیا آنکھوں میں اندھیر تھی۔ قبرستان جاتی۔ قبر پر چھٹی روتی اور کہتی ہڑھیا ماں زندہ رہی اور کلیجہ کا ٹکڑا ہزاروں من مٹی کے نیچے جاسویا۔ دیوانوں کی طرح ایک ایک کے منہ کو نکلتی اور بچوں کی طرح بلک بلک کر روتی۔ کس کا کھانا پینا اور کہاں کا اور ضیا پہنتا، وہ تھی اور وسیم کی یاد۔ کیسا پہنتا بولنا اور کدھر کا ملنا جلنا، وہ تھی اور اس کا دل ناشاد۔ زندگی و بال اور گھر بچال ہو گیا۔ عالم خیال میں کبھی دل خود بخود تسکین دیتا کہ نہیں وسیعہ زندہ ہے، بازار گیا ہے۔ اب آتا ہو گا کلیجہ سے لگاؤں گی۔ لپٹوں گی پٹاؤں گی۔ مقرر ہو کر دروازے تک جاتی اور پھر بے اختیار ہو کر آپ ہی آپ چپٹی "آہ وسیعہ کہاں!"

نظام عالم کا ہر متحرک ذرہ تغیر کر رہا تھا۔ موسم بدے فیصلیں ختم ہوئیں۔ راتیں تیں ڈر گئیں۔ دن نکلے اور ڈوبے۔ کلیاں چٹک چٹک کر کھلیں اور پھول کھل کھل کر مرجھائے۔ دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔ زمانہ کہیں سے کہیں پہنچا۔ مگر نہ تغیر ہوا تو ذبیحہ کی حالت میں۔ جاگتی ہے تو اس کی یاد اور سوتی ہے تو اس کی تصویر۔

چمن پر نہ مائل نہ گل پر نظر

وہی سامنے صورت آنکھوں پہر

دن بھر کی روئی دھوئی راستہ کو بھوک پیاسی اس کی تصویر کلیجے سے لگا کر اس امید پر رہتی کہ زندہ صورت نظر نہ آئی تو خواب میں دیکھ لوں گی۔ ایک دفعہ اسی اضطراب میں گٹھ لگ گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ میرزا اھل کھڑے ہیں اور منجمد باب سے گڑ گڑا رہی ہے۔ مجھے ایک دفعہ وسیم کی صورت دکھا دو۔ صبر ز اھل نے بیٹی کو کشتلی دی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر لپک

ایسے مقام پر لے گئے جہاں نور کے فرشتے چاروں طرف پھر رہے تھے اور لاتعداد روحیں اپنے اعمال و افعال کی جزا و سزا میں مصروف تھیں۔ دفعۃً ان نورانی فرشتوں نے اس حکم کے ذریعے جو قادر ذوالجلال کا تھا نزول رحمت شروع کیا اور ہر روح کے پاس سدا بہار پھولوں کے گلدستے جن کی تہک تمام میدان کو معطر کر رہی تھی پہنچائے۔ سنبلہ آئینہ پھاڑ پھاڑ کر اپنے بچہ کو دیکھ رہی تھی مگر کہیں نظر نہ آتا تھا بمشکل تمام ایک طرف نظر پڑی تو دیکھا کہ کڑکڑاتے جاڑوں میں وسیع مہین ملس کا کرتہ پہننے متحرک کرنا رہا ہے۔ بدن لہو لہان ہے۔ ہاتھ پاؤں پھٹ رہے ہیں اور خون بہ رہا ہے۔ عذاب کے فرشتے ٹھنڈے پانی میں وسیع کو غوطہ دے رہے ہیں اور اس کی گریہ و زاری پر مطلق رحم نہیں کرتے نسیم بہتا بانہ آگے بڑھی کہ فرشتوں کو روکے مگر پاپ نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا ”ایک قدم آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے“ وہیں کھڑی جھنجھٹی اور پیٹی رہی۔ مگر جو کیا وہ بے سود اور جو کہا وہ بیجا رہا جب نورانی فرشتے نزول رحمت کر چکے تو باوازلہ نہ کہا۔ ”یہ تمہارا وہ حصہ تھا جو دنیا والوں نے تم کو پہنچا“ ایک ایک خاص روشنی نمودار ہوئی تمام فرشتے سجدے میں گر پڑے اور ان کے سردار نے یہ صدادی ”آج محبوب ذوالجلال کی پیدائش کا دن ہے تمہارے عذاب کم کیے جاسکتے ہیں۔ تمہاری التجائیں قبول ہوں گی اور تمہاری درخواستیں منظور جس کو جو کچھ کہنا ہے کہو“ ہر روح نے اپنے اپنے پیغام پہنچائے جب وسیع کا وقت آیا تو اس نے کہا ”مقدس نورانی فرشتو! میری ماں میری یاد میں ترسپ رہی ہوگی۔ اس کی زندگی میرے دم سے بھی میں اس کی خدمت کا ارمان اپنے دل میں لایا۔ اس کی حسرت دیدار میرے ساتھ ہے اور خواہش ملاقات میرے پاس۔ اگر رحم کرو تو ایک دفعہ چند لمحوں کے واسطے اس کی صورت دکھا دو“ فرشتے نے اس کی خواہش کو پورا کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا ”دنیا والے اپنے غریبوں کو انواع و اقسام کے تحفے بھیج رہے ہیں۔ جو تیرے سامنے ان روحوں کو پہنچائے جاسکتے ہیں مگر تیرے کسی عزیز نے آج تک کچھ نہیں بھیجا شاید تو بھی ان ہی لوگوں

میں سے ہے۔ جن کے پھولوں اور چالیسویں پرمنوں پر پانی متجن ہتے کٹے آراتے ہیں۔ تیری ماں یہاں موجود ہے ہم تجھ کو اس کی صورت دکھاتے ہیں۔ مگر اس کے صلہ میں تجھ کو ایک ہزار برس سخت عذاب بھگتنا پڑے گا۔ وسیع فرشتے کی یہ صدا سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پھر کانپتی ہوئی آوازیں کہاں مجھے منظور ہے میری ماں کی صورت دکھا دو فرشتہ وسیع کو ادھر لے کر آیا تو نسیمہ نے بیٹے کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کر وسیع کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور اس نے فرشتے سے کہا: بس چلو اور اپنا عذاب شروع کر دو۔ اتنا سستے ہی نسیمہ کی آنکھ کھل گئی تو مودون اذان دے رہا تھا۔ خواب کیا ایک رہا تھا جس نے تمام کیلیمہ چھپائی کر ڈالا جس کی صورت کے دیدار کو مہینوں سے تڑپ رہی تھی اس کا اس حال میں نظر آنا۔ بیٹے کی محبت کا یہ درجہ اور ماں کی سنگدلی کی یہ حد کہ الامان والحفیظ۔

سنبھلتی تھی مگر کسی پہلو جان نہ ملتا تھا۔ دل کو سنبھالتی تھی مگر ظالم کسی کروٹ آرام نہ دیتا تھا۔ وسیع کی مصیبت اور خواب کی حالت کچھ ایسی ذہن نشین ہوئی کہ ہشیار ہو کر بھی اس کے پاس دوڑی، ہاتھ پھیلے مگر کچھ نہ تھا۔ کی سنبھلی۔ مگر ٹکڑائی اور گری۔ اب صبح صادق کا سہانا وقت تھا۔ پرند اپنے معبود کی تسبیح میں مصروف تھے۔ تارے جھلکے تھے۔ چاند مہم پڑ چکا تھا۔ پلو پھٹ رہی تھی اور نسیمہ اس خیال میں آسمان پر ٹکٹی باندھے لیٹی تھی کہ شاید اس زبردست انقلاب میں وسیع کی صورت پھر نظر آجائے۔ نسیمہ یوی کی حالت دیر سے بیٹھا دیکھ رہا تھا اور اس کی کیفیت اتنی بدتر نہ تھی۔ مگر وسیع کی موت نے مگر اس کی بھی توڑ دی تھی۔ اٹھا بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور کہا: اٹھو نماز قضا ہو رہی ہے پانی گرم ہو گیا۔ نسیمہ کی حالت بالکل ایسی تھی جیسے کوئی ظالم کسی بچہ کے ہاتھ سے کھلونا چھین لے۔ نماز کا نام سن کر اٹھی۔ مگر نسیمہ کی صورت دیکھتے ہی خواب کا تمام ماجرا آنکھ کے سامنے آ گیا۔ ایک چیخ ماری اور یہ کہہ کر گر پڑی۔

”وسیع کو ٹھڈے پانی کا عذاب اور میں گرم پانی سے وضو کروں۔“

قسیم پانی لایا وضو کرایا۔ اسی حالت میں روتی ہوئی نماز پڑھتی رہی پڑھ چکی تو کہا ”ذرا ڈولی منگا دو۔ پھوپھی جان کے ہاں جاؤں گی۔ تمھارا جی چاہے تم بھی چلے چلو؟“
قسیم ”ابھی منگواتا ہوں اور میں بھی چلتا ہوں“

(۳۴)

سینچید کا کی عمر اس وقت سو سے زیادہ تھی اور گویا تھپاؤں جواب دے چکے تھے مگر زبان اور دماغ بدستور کام کر رہے تھے۔ وسیع کی خبر موت سینچید کا تک کیا صحیح ہونے سے پہلے تمام شہر میں مشہور ہو چکی تھی سینچید نے جس وقت یہ سنا تو کامل دو گھنٹے بیہوش رہی۔ مگر بھتیجی کے پاس جانے کے قابل نہ تھی کئی دفعہ کہلا بھیجا مگر بد نصیب کو اپنا ہی ہوش نہ تھا۔ پھوپھی کے حکم کی تعمیل تو کیا خاک کرتی۔ لیکن سینچید کا وہ پھوپھی تھی جس نے نسیم کو ماں کی شفقت بھری گود طبعی بھلا دی تھی یہ ہے اس کو بھتیجی سے محبت نہیں عشق تھا۔ اس کی اٹھکی میں پھانس چھٹی تو بچپن ہو جاتی۔ یہ تو وہ مصیبت تھی جس نے تکلیفوں کا خانہ اور مصائب کا نیکلہ کر دیا۔ سینچید کا کی حالت جو کچھ بھی نہ ہوتی وہ غھوڑی تھی مچھلی کی طرح پلنگ پر پڑی تڑپتی اور مرغ گرفتار کی طرح قفس میں پھڑپھڑا پھڑپھڑا کر چپ ہو جاتی کئی دفعہ ارادہ کیا کہ کسی طرح گھسٹ گھسٹاؤ لی میں بیٹھ جاؤں مگر دونوں ٹانگیں ایسی ہی تھیں کہ جنبش قسم کتنی بہر وقت اُسی ادھیر بن میں اور رات دن اسی خیال میں مستغرق تھی کہ سامنے سے نسیم آتی ہوئی دکھائی دی بہ نصیب بھتیجی کا دکھائی دینا تھا کہ سینچید کا دل بھر آیا۔ ادھر نسیم پھوپھی کی صورت دیکھتی ہی تڑپ اٹھی۔ دوڑ کر گلے لپی۔ سینچید کے دونوں ہاتھ نسیم کے گلے میں تھے اور اس کا سر پھوپھی کے سینہ پر ایک دو دفعہ نہیں۔ بارہا نسیم نے بچپن میں اسی طرح پھوپھی کے گلے لگ کر اس کا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہو گا۔ مگر کسے معلوم تھا کہ تقدیر سینچید کا کو یہ وقت بھی دکھائے گی کہ اسے بھتیجی کو اس طرح گلے لگانا پڑے گا کہ وسیع جیسا جو ان بیٹا

ہمیشہ کو چھوٹ کر اس کو مردہ بنائے گا۔ آنکھیں اس کے فراق میں جھڑپاں بہائیں گی اور سنجیدہ
ان آنسوؤں کو پونچھے گی۔ دیر تک دونوں کی دونوں لپٹی روتی رہیں۔ آخر سنجیدہ کانے
سنجیدہ کا سر اٹھایا تو اس نے خواب سنایا۔ سنجیدہ کا سن چکی تو کہا۔

”مجھ سے زیادہ بد نصیب عورت کون ہوگی کہ یہ صدمے سہنے کو اب تک زندہ رہی

کیا خبر تھی کہ مجھے یہ داغ بھی کلیجے پر بیجا نا ہے۔ تم جو کچھ بھی کرو کم اور تھوڑا ہے۔ تم پر جو کچھ
گذری وہ اولاد الی مائیں اچھی طرح جانتی ہیں میں تم کو رنج سے منع نہیں کرتی۔ یہ رنج
تو آپڑا اور ایسا آیا کہ جان لیکر جائیگا۔ روگی۔ اور جب تک زندہ ہو اس وقت تک رووگی مگر
وسیمہ کی موت معمولی بات نہیں۔ ایک زبردست ہاتھ اس کی تہ میں ہے۔ کس کا

ہیضہ۔ کہاں کی بچش۔ کہاں کا شہدادہ کہ صرکا شربت۔ سب قدرت کے کھیل میں۔ ہوا
ہو رہا ہے اور ہو گا۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ مصیبت میں صبر۔ رنج میں تحمل تکلیف
میں شکر ہمارا کام۔ رضا پر راضی حکم پر حاضر۔ فرض میں تعمیل ارشاد کی تعمیل ہمارا شیوہ۔
بات وہ کہ شانِ عبودیت ہاتھ سے نہ جائے اور کام وہ کہ انسانیت کے ظرف پر حرف

نہ آئے۔ روو مگر آنسوؤں سے۔ رنج کرو مگر دل میں تیوری پرل نہ ہو۔ روئے میں بن نہ ہو۔
عبادت میں کمی نہیں ریاضت میں فرق نہیں۔ جو پُر گئی وہ جھیل لی جو ہو گیا وہ ہو گیا۔ یہ
ہے جوہر انسانیت۔ ان کانتوں کی تہ میں پھول اور ان داغوں کی آڑ میں باغ ہیں۔

اجازت تھار کام اور توڑنا تھارے ہاتھ زندگی فانی دنیا ناپائدار۔ یہ جذباتی عارضی ہے
عالم بالا کے دروازے کھلے ہوئے ہیں وسیمہ کی روح وہاں موجود تم سے ملنے کو
یقیناً تھارے دیکھنے کا انتظار ملنے کی تدبیر مواصلت کی تجویز اب تھار کام ہے۔
اجل ہر پر سوار ہے۔ موت کے لئے تیار رہو۔ اطمینان سے سوو اور آرام سے سلو۔

عبادت سے اس کشت کو آبِ دو کہ وال جا کے خرمن بھی تیار لو
انام غزالیؒ نے موت پر ایک بحث لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ کو بعد

ان کی بیوی فاطمہ نے دنیا ترک کی اور شوہر کی قبر پر جا بیٹھیں۔ سال بھر وہاں رہیں مگر کب تک دنیا کے تعلقات پیچھا چھوڑتے جب چلنے لگیں تو ایک آواز سنی۔
 ”فاطمہ شوہر مل گیا ہے“

بیٹی تم اپنے ہاتھوں اُمید کا ایک حصہ بگاڑ چکیں۔ محبت اسی کا نام ہے۔ مانتا اسی کو کہتے ہیں کہ مغفور بچے اور مرحوم لال کو بخاری وجہ سے یہ عذاب پہنچے۔ وہ آج تمھاری غنایت کا محتاج اور تمھارے کرم کا دست نگر ہے میں کسی لائق نہیں ہوں مگر دیتی ہوں جو دے سکتی ہوں اور پہنچا رہی ہوں جو ممکن ہے۔ یہ بخاری آزمائش کا وقت اور سنچلنے کا موقع ہے۔ ہٹ گئیں۔ تو بچہ کا ملنا کیسا۔ دونوں جہاں سے لگی گزری ہوئیں۔

نسیمہ بیگم! وہ کام نہ کرو کہ دنیا کے ساتھ دین بھی برباد ہو۔ خدا کی رضامندی مشکل نہیں بکس مخلوق خدا تمھاری آنکھ کے سامنے ہے۔ ان کا دل ہاتھ میں لو میرا پار ہے۔ ان کی خدمت عین مغفرت اور ان سے محبت خدا کی غنایت کا پہلا سبق ہے۔ نسیمہ ہوشیار ہو جا اور سنچل جا۔ غریبوں کے پیچھے کھڑے۔ مریضوں کی ناتواں ہڈیاں۔ یتیموں کے گرد آلو دچہرے۔ رانڈوں کی بدنصیب صورتیں اور اپاہجوں کے زخم۔ زخموں کو کھیرے۔ تھکھکوتیرے لال سے ملا دیں گے“

سنبھیل کا کی تقریر کرتی ہوئی دیوار کو ایک آڑا یا پھولوں کے چوگرد ایک بار تھی جس نے نسیمہ کے پہاڑ کو سرکا، اس کے خیالات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ غور کرتی تو درحقیقت جو چاند پر وہ دنیا سے چھپ چکا تھا وہ اب بساطِ آخرت پر منور ہونے والا تھا، ضرورت یہ تھی کہ ماں اپنے تمام ارمانوں کو اس وقت پر موقوف کرتی اور چلتے وقت ایسے کام ساتھ لے جاتی جو وسیلہ کو اس سے ملوا دیتے۔ آنکھیں روشن اور کلیجہ ٹھنڈا کرتی۔ یہ گریہ دزاری بھیجی نہ بقراری بے سوہے کا رشتی۔ وسیم کا جسدِ خاکی مٹی ہو چکا تھا۔ اب اگر کچھ توقع تھی تو روح سے جو ماں کے کاموں کو بے تابانی سے دیکھ رہی تھی۔ نسیمہ نے پھوپھی سے کچھ نہ کہا

مگر اس کے الفاظ سینہ میں چبھے اور دل میں اتر گئے۔ کچھ دیر خاموش رہی۔ اور پھر ڈولی منگو کر چلی آئی۔ آکر بیٹھی تو ادھر ہوسلام کو آئی۔ ادھر پوتے آکر چبھے۔ بہو کو دعا دینی ضرورت تھی۔ مگر دعا کے ساتھ ہی خیال آیا کہ میں ماں ہوں میری مانتا ہے۔ بکلیہ کا ٹکڑا تھا دنیا کے سب عیش کر چکی۔ مگر یہ بد نصیب چارہ پانچ برس کی بیاہی جس نے میاں کی بہار دیکھی نہ بچوں کا سکھ، کیسی برباد ہوئی۔ اس کو رانڈ بٹھا کر ٹی پلیڈ کرنا سخت ظلم اور کبیرہ گناہ ہے میں مانتی ہوں یہ باہر کے لوگ ہیں۔ ان کے ہاں بیوہ کا نکاح سخت عیب ہے۔ مگر "فَانْكِحُوْهُنَّ اِذَا هُنَّ مَسْكُوٰتٌ" حکم صریح ہے۔ گو میرا دل نہیں مانتا کہ میری زندگی میں وسیعہ کی دہن مجھ سے چھوٹے۔ بچے میرا گھر سونا کر جائیں اور پرانی وہلیز پر جا کر رہیں مگر یقیناً اس کا عذاب مجھ پر ہوگا۔

دل میں یہ باتیں کرتے کرتے وہ یکایک اٹھی اور سمجھن کو بل کر اُن سے کہا: "یہ آپ کی صاحبزادی بیٹی ہیں میری تقدیر میں جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ مگر یہ بچہ ہے اس نے ابھی دنیا کا کیا دیکھا ہے۔ چھ برس میں دو عینے بھی لگ کر میاں کے ساتھ نہ رہی۔ دنیا اس کی واسطے دوزخ اور زندگی اس کے لئے مصیبت ہوگی۔ میں جانتی ہوں آپ لوگ رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مگر میرا دل دیکھے کہ آپ نے اپنی بچی کو وسیعہ کے واسطے دہن بنایا اور میں اپنے ہاتھ سے اپنی بہو کو غیر کے لئے دہن بناتی ہوں۔ وسیعہ میاں مگر چھوٹے اُن کے بچے مرے بچے کی نشانی، سر بدلے کا سر نہیں، اُن کو جب دیکھ لوں گی میری مانتا ٹھنڈی ہو جائے گی۔ حریم النساء کا لڑکا عارف ساٹھ روپے کا نوکر۔ کھانا بیتنا۔ اصل نسل نکاح کا خواہشمند اور یہاں راضی ہے میں نے اس کو بھی بلایا ہے۔ آپ کی موجودگی میں اب ان کو نئے دو لہاکے یہاں رخصت کرتی ہوں؟

سمجھن تو خاموش رہیں مگر ہونکی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اتنے میں تقسیم نے آکر کہا۔ "قاضی جی اور میاں عارف دونوں آگئے" بہو کی رضامندی حاصل کر لینے نے اجازت دی نکاح ہو چکا تو تقسیم نے اپنے ہاتھ سے بہو کو نہلا دھلا دہن بنایا اور کہا۔

”بیٹی دنیا کا یہی دستور ہے چند روز میں دنیا تم کو یہ صدمہ بھلا دیگی۔ گھر میرا دل نہیں مانتا کہ وسیم کے بچے مجھ سے جدا ہوں لیکن میں دکھیا رہی کس دل سے تمھاری مانتا کو چھٹاؤں۔ اللہ تم کو اپنے بچے پالنے نصیب کرے ہاں ان کو روزانہ میرے پاس بھیج دیا لڑنا نہ انکی صورتیں میرے زخم پر مرہم رکھیں گی میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ پرانی اولاد پرانی ہوتی ہے۔ ان کی ناز برداری دوسرا باپ کیوں کر لے لگا۔ یہ بچیس ہزار کی جائداد جو مجھ کو جہر میں ملی ہو ان بچوں کی پرورش کے لئے ان کے نام منتقل کرتی ہوں۔ تم سے بہتر اس کا امین کون ہو گا خدا ان بچوں کی عمر دراز کرے۔ ان سے وسیم کا نام چلے اور یہ پروان چڑھیں اور تمھارا اکٹھا ہے۔ گاڑی تیار ہے بسم اللہ کرو۔ بظاہر تمھارا تعلق اس گھر سے قطع ہو گیا۔ مگر حجب تک میں زندہ ہوں یہ گھر تمھارا ہے۔ خدا ان بچوں کو زندہ رکھے۔ تمھارے حقوق ختم نہیں ہوئے۔ اب تک تم میری فراہم بردار تھیں لیکن آج سے میں تمھاری خدمت گزار ہوں۔ مجھے بچوں کی صورت کو نہ بھڑکانا وسیم کے لال تمھارے پاس میری امانت میں میرا دل خوش رکھنا بد نصیب ماں ہوں۔ جو ان بچہ ہمیشہ کو چھوٹ چکا ہی دیکھے ہوئے دل سے دعا دوں گی۔ بھولو گی بھولو گی خوش رہو گی۔“

بہو کی ہچکی بندھی ہوئی تھی نسیہ نے اٹھ کر کھلے لگایا۔ بچوں کو پیار کیا۔ پیشانیوں پر بوسے دیئے۔ دروازے تک ساتھ آئی اور بہو کو بچوں سمیت دوسرے شوہر کے یہاں رخصت کیا۔

(۳۵)

نسیہ لاکھ سنبھلنے کی کوشش کرتی تھی مگر دل اندر سے بٹھا جاتا تھا۔ دونوں وقتیں تمنا کے بچوں کو کھانا خود پکا کر بھیجتی۔ طالب علموں کے کپڑے اپنے ہاتھ سے سیٹی۔ رائڈوں کے جینے محتاجوں کے روزینہ مقرر کر دیتے جب زیادہ گھبراتی، وسیم کی یاد بہت بتیاب کرتی تو نسیہ بچوں کو بلکرائے سے دل بہلاتی۔

عید سے ایک روز قبل کا ذکر ہے کہ بیروں کا ایک بچہ جس کے تمام غریب واقارب مرچے تھے نو برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر چکا تھا اور جس نے تیسوں روز سے رکھے تھے۔

تین چار مہینے سے جوڑ بکڑ پونے دو روپے کا کرتہ پا جامہ کا کپڑا لایا اور پیسے نہ تھے کہ درزی سے سلوا سکتا۔ مگر ننھے سے دل میں عید کی خوشیاں اہریں لے رہی تھی۔ درزی سے کہا: میں تم کو ایک پیسہ روز کر کے سلائی دینا تھا؟ درزی کو بیسیوں کپڑے سینے تھے۔ گھر گھر کپڑا پھینک دیا۔ معصوم کپڑے چاروں طرف پھر رہا تھا کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ میری عید منوادے سوچتے سوچتے نسیم کا خیال آیا سیدھا وہاں پہنچا۔ رات کے نو بجے ہوں گے نسیم گھر میں تھی نسیم نے ساری داستان سنی اور کہہ دیا: ”وہ گھر میں نہیں؟“ بن باپ کے بچے۔ بن ماں کے معصوم کی تمام خوشی خاک میں مل گئی مایوس ہو کر چلا گیا۔ اور سجدیں جا کر پڑ رہا۔ دو بجے کو قریب نسیم پھوپھی کے ہاں سے لوٹی تو نسیم نے بالوں بالوں میں یہ اقعہ بھی دہرایا۔ نسیم کی آنکھ میں آنسو آگئے بیٹی سے کچھ نہ کہا۔ صرف اٹنا پوچھا: ”وہ کچھ کہاں رہتا ہے؟“ نسیم نے یہ تو مجھے خبر نہیں۔ کیوں کیا اب ڈھونڈھتے جاؤ گی؟

نسیم: ”نہیں پونہی پوچھتی ہوں۔“

نسیم: ”اسی سامنے والی مسجد میں شاید کہہ رہا تھا۔“

جب تسکین سمجھ گئی تو نسیم نے اگر نسیم کو جگانے کی کوشش کی۔ مگر جب وہ نہ اٹھ سکا تو خیال آیا کہ میں اپنی وجہ سے ان کو کیوت بھلیف دوں۔ ماما کا برقعہ سر پر ڈال ہاتھائی اور مسجد کے دروازے پر پہنچی۔ دنیا عالم خواب میں تھی مگر وہ نو برس کی جان اپنے چار گڑھے کو بعل میں دبا کے جاگ رہا تھا نسیم کی آواز سننے ہی دوڑا مواد دروازے پر آیا کندھی کھولی تو نسیم نے کہا: ”میاں تم کپڑا لے کر میرے پاس گئے تھے وہ کیا کیا؟“

بچہ: ”یہ رہا کسی نے بھی نہ سنا۔ اب آپ ہی دیں گی؟“

نسیم کو بچے کے اس بھولپن پر ایسا پیار آیا کہ اس نے جھجک کر کھلے گال لپٹا۔ پیار کیا اور کہا: ”ہاں میاں لاؤ ابھی صبح تک تمھارے کپڑے تیار کر دوں گی۔ آؤ تم مجھے میرے ساتھ آ جاؤ۔“

بچہ کو بے گھر آئی دونوں کپڑے کترے۔ آنکھ سے اچھی طرح بھھائی نہ دیتا تھا۔ مگر جس

طرح ہو سکا کہ نہ پا جامہ تیار کیا۔ بچہ بھی برابر بیٹھا جاگتا رہا۔ دھا کا ختم ہو جاتا تھا تو پرو دیتا تھا۔ تیار کر چکی تو اس کا ہاتھ منہ دھلایا۔ کپڑے پہنائے۔ گو دھیں لیا۔ پیار کیا اور ایکٹ پڑیا۔ پانچ بج چکے تھے رات بھر کی جاگی۔ ذرا لیٹی تو آنکھ لگ گئی دیکھتی ہے تو وسم اس کے کیلچے سے چٹا ہوا ہے اور چاروں طرف سے پاک رو میں اس کی کامیابی پر مبارکباد دے رہی ہیں۔ اس خوش میں آنکھ کھل گئی تو دل اندر سے باغ باغ تھا۔ ہینوں کی محنت وصول ہو گئی اب نسیہ کو یقین ہو گیا کہ وسم کے طے کا ذریعہ صرف خلق اللہ کی خدمت ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ نسیہ کی عمر کا یہ حصہ لا جواب گزرا۔ حالت میں آسمان زمین کا ذوق تھا مگر وہ بخار جو آنکھوں کے ذریعہ سے نکل رہا تھا۔ ضبط کرتے ہی جسم پر نمودار ہو گیا۔ اکثر حرارت رہتی اور گو قسیم نے یہی کے علاج میں کوئی دقیقہ نگذاشت نہ کیا۔ مگر نسیہ کی حالت روز بروز ردی ہو گئی آخر کار اس کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ مرنے سے تین روز پہلے اس نے تمام عزیز واقارب ہیلیاں، ہینیلیاں شاگرد سب کو جمع کیا اور ان کے سامنے کہا۔ ”بہنو! میں نے آج تم کو سب کو تکلیف دی۔ مگر میں مجبور ہوں جی چاہتا تھا کہ ایک دفعہ تمہاری صورتیں اور دیکھ لوں۔ موت کی تمنا مذہباً درست نہیں مگر مجھے اپنی موت کا یقین ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ سب سے مل کر رخصت ہوتی میں آج تک چون برس چار جینے اٹھارہ دن اس دنیا میں رہی۔ یہ عرصہ کہنے کو بہت بڑا اور ظاہر میں خاصا بہت ہے۔ مگر انسان جو فانی دنیا کے جلووں پر مٹا ہوا ہی آنکھ بند کرے گزاردیتا ہے۔ یہی حال آج میرا ہے۔ بچپن برس کے قریب زندہ رہی مگر جینے سے دل سیر نہ ہوا۔ وقت کافی زمانہ معقول اور عرصہ پورا ہے مگر ہر کام ادھورا اور ہر بات ناقص اور ہر معاملہ غیر مکمل چھوڑ رہی ہوں گویا نہ موت آئی تھی نہ مجھے جانا۔ بیکار آئی۔ بار دیگر ال رہی۔ شرمسار مرتی ہوں اور گنہگار جاتی ہوں۔ اعمال کی بھلائی اور افعال کی کمائی میرے ساتھ ہوتی۔ مگر کچھ نہیں۔ ابتداء ہی

پانچ سال کا حال تو یاد نہیں۔ مگر جب سے ہوش سنبھالا ایک کام بھی دھنگا نہ کیا۔ پھوپھی جان جیسی شفیق ماں کی خدمت جنھوں نے اپنی زندگی مجھ پر سرباد کی مجھ سے خاک نہ ہو سکی کہنے کو جگ گزر گئے مگر نہیں مجھے وہ دن یاد ہیں جب میں ان کو سختی سے جواب دیتی تھی اور وہ خاموش ہو جاتی تھیں۔ آج یہ ہاتھ پاؤں جن پر گھمنہ دکھا بیکا رہیں۔ اور عمر جس پر ناز تھا ختم ہو گئی۔ مگر اس کی یاد گار کراچ مذمت و پشیمانی میرے پاس ہیں اور اب رونے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اماں جان کی فضعییاں میں نے کیں۔ آبا جان کے حکم بارہا میں نے ٹالے بہن بھائیوں پر شفقت مجھ سے نہ ہوئی بڑوں کی اطاعت میں نے نہ کی۔ آہ لے عمر گزشتہ اس کٹھن رستے میں جہاں ایک ایک قدم اٹھنا مصیبت ہی تو نے عذاب کا ایسا انبار سر پر رکھ دیا کہ کسی طرح ہلکا نہیں ہوتا ماماں مجھ سے ناخوش۔ لونڈیاں مجھ سے لالہ لڑکھڑکھ سے پریشان! لا العلیل! لا ان الامان!

اس وقت نسیمہ کی بچکی بندھی ہوئی تھی اور بیویوں میں سے کوئی بھی ایسی نہ تھی جو نہ رو رہی ہو۔ کچھ ضبط کیا اور پھر سلسلہ شروع کیا۔

”اگل کی بات سہہ کہ پھوپھی جان نے جھکو پالکی میں سوار کر لیا۔ اس وقت بیوی عورتیں سفید بالوں والی مجھے رخصت کرنے میں شریک تھیں۔ آج وہ سب قبروں میں جاسوئیں اور میرا سارا سر سفید ہو گیا۔ یہ انقلاب قدم قدم پر مجھے موت کا سبق دے رہے تھے لیکن غفلت کی انتہا بے خبری کی حد کہ کبھی بھولے سے بھی موت کا خیال نہ آیا۔ پندرہ برس کی بیوی آئی چالیس سال اس محل میں رہ چلی۔ مگر ایک کو بھی پوری طرح خوش نہ کر سکی اماں جان اللہ غریق رحمت کرے کون کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے خوش نہیں یا رنجیدہ۔ راجہ ہا آجر کے دونوں ننڈیں میرے سپرد تھیں مگر ان کا حق خدمت کچھ بھی ادا نہ ہوا۔ بے موقعہ گھر کا بلا وجہ ڈانٹا۔ بے سبب خفا ہوئی خواہ مخواہ بگڑی۔ اب دیکھتی ہوں تو اس غصہ میں صلاح کا خیال کم اور نساہت زیادہ تھی۔ مگر ان بچپن کی سعادت مندی کی

امید ہی کہ مردہ بھادج پر عذاب نہ ہونے دینی اور عند اللہ میری غلطیوں کو معاف کر دینی؟
نہیں یہ سنتے ہی جینیں مار کر بھادج کے قدموں پر گر پڑیں اور کہا۔

خدا را بھابی جان یہ نہ فرمائیے۔ آپ نے ہماری ماں کو ہمارے دل سے بھلا دیا۔ آپ
نے ہم کو انسان بنایا ہم آپ ہی کی بدولت دنیا میں رہنے کے قابل ہوئے؟

دونوں نندوں کو نسیمہ نے گلے لگایا اور پھر کہنا شروع کیا۔

”کہنہ کی ایک دو نہیں بیبیوں اللہ کی بندیاں میرے رحم کی مستحق تھیں۔ عہد کی ہمت
سی مخلوق بھو کی سوئی اور میں نے پیٹ بھرے۔ مسافر میرے در سے خالی گئے۔

نینیم میری چوٹ سے ناکام پھرے رائڈوں نے اس بند ہو نیوالی زبان کو چمکایا
نیں۔ بڑی بوڑھیوں نے میرے طعنے سے۔ نوکروں نے میرے غصے اٹھائے۔

ہائے اللہ گناہوں کی گھڑی اتنی بڑی۔ رحم۔ آقا رحم؟

ایک متفقہ آواز نکلی۔ ”اے سگم تیرے رویں میں خدا جان دے۔

ہم کو بے کس نہ چھوڑیں گے۔ رائڈوں کی وارث تو۔ اُپا بچوں کا سہارا بن گئے
کا گدارا، تو اے سگم تو؟

نینیم اس کے بعد کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ مگر کان زیادہ ہوئی۔ بخار شدت سے چڑھا

اور بولنے کی ہمت نہ رہی۔ بیویوں نے اس کی بلائیں لیں بچوں نے اس کو دعائیں دیں۔ شام قریب

تھی بیویاں روتی دھوتی اپنے گھروں کو سوار ہو گئیں۔ دوسرے دن بخار رات کو ہجے
کچھ ہلکا تھا۔ کہ نسیمہ نے قسیمہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔

”خوش نصیب ہوں میں بیوی کہ تمہارے ہاتھوں پیوند میں ہوتی ہوں جس

چہرہ سے گھونٹ اٹھایا تھا اُس کو اپنے ہاتھ سے خاک میں چھپا دینا سیاہ بال تھا کہ

گھر میں سفید ہوئے اور جوانی تھا رے سامنے بڑھاپے سے بدل گئی۔ تم آقا تھے

میں کیز تھی۔ تمہارا رتبہ زیادہ اور حق بڑا تھا۔ مگر تیرا دل مرتبہ گہری ہوں اور بڑا

بھلا کہا ہے۔ آج اپنے بچوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں۔ اپنی عنایت و اس کو
معاف کر دینا تاکہ خدا کے حضور میں گنہگار نہ ہوں۔“
قسیم بیوی کی زبان سے اتنا سنتے ہی بیتاب ہو گیا۔ روتا ہوا اٹھا اس کے
ہاتھ اپنی آنکھ سے لگائے اور کہا۔

”تم جیسی بیوی دنیا چار غلے کر ڈھونڈے تو نہ ملے گی تم نے وہ کیا میرا
دل تم کو دیا میں دے رہا ہے۔ تم نے پچاس روپے کی نوکری سے صدر لہصد و بنا دیا
اور جس گھر میں کتے لوستے تھے تمھارے دم سے آج گلزار بنا ہوا ہے۔ میرا نہ نہیں
کہ تمھارا شکریہ ادا کر سکوں۔ ہاں میں تم سے نادم ہوں اور اس خیال سے جو
پلوں میں میں نے کیا۔ میری روح کانپ رہی ہے۔

نسیم دیکھ اپنے بچوں کا صدقہ عمرے ہوئے و تسلیم کا صدقہ، مجھے بخشدے۔“
تسلیم نے شوہر کا ہاتھ سر پر رکھا اپنے ہاتھوں سے آنسو پوچھے اور کہا۔
”خدا کے برحق تم کو معاف کرے، میں پہلے ہی معاف کر چکی ہوں۔ اب پھر کتنی ہو
میں نے معاف کیا۔ اب میں تم سے اس قدر اور کہتی ہوں کہ اگر میرے بعد ضرورت تم کو
دوسرے مکان پر مجبور کرے تو بیشک کر لینا میں منع نہیں کرتی لیکن دو معصوم بچیاں
تمھاری محتاج چھوڑتی ہوں۔ لڑکے میانے ہیں اور کماتا دھن۔ مگر بھولی چڑیاں
سو تیلی ماں کے قبضہ میں نہ جائیں۔ تسلیم ان کی پرورش کرے گی۔ ماں کا کچھ اچھوٹنی
کے بعد تسلیم سے بہتر رفیق ان کا کون ہوگا۔ وہ دشمنی یہ ان کی دوست اور
بدخواہی میں ان کی بہترین خیر خواہ ہوگی۔ تمھاری تنخواہ میں سے جو کچھ بچے اگر کچھ
جمع ہوا ہے وہ یہ دس ہزار کے نوٹ ہیں جو ان دونوں کی شادی کے واسطے
محفوظ تھے اور اب تمھارے سپرد کرتی ہوں۔ بچے گوشتیا میں مگر میرے بعد
دیوار سے سر پھوڑیں گے ان کو کلیجہ سے لگا کر کھنا۔ اگر میدان حشر میں ملاقات

ہوتی ہے تو اپنے بچوں کے دکھ کا مواخذہ ضروری کر دیں گی۔

بخارا تیز ہوا اور بارہ بجے تک سود رہے سے کچھ زیادہ تھا۔ تسنیم ہاں کے پاؤں سے اور قسیم بیوی کے ہاتھ سے آنکھیں مل رہا تھا کہ تسنیم خاموش ہو گئی۔ صبح کے وقت جب قسیم بالکل ہی ناامید ہو گیا تو ایک چچی شربت سے کمر بیوی کے پاس آیا۔ اس وقت تسنیم نے اُس کے آگے ہاتھ جوڑے آنکھوں سے قصور کی معافی چاہی، قسیم شربت دینا چاہتا تھا کہ اس نے شربت کا ہاتھ ہٹا دیا اور یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔
دیکھو.... میرے لال کی روح.... میرے استقبال کو آئی....
وسیم.... ہاتھ پھیلائے.... مجھے گود میں لینے.... کھڑا ہے
خاتمہ شد

انتباہ و اطلاع

شام زندگی کا دائمی حق اشاعت
میرے نام محفوظ ہے۔ براہ کرم کوئی صاحب
اس کے کل یا جز کو شائع نہ فرمائیں ورنہ
اخلاق ہی نہیں قانونی جرم کے بھی مرتکب
ہوں گے اور انہیں بہت برا جیائے گا۔
بھگت نا پڑے گا۔ ہاں تاجران کتب جس قدر
جلدیں چاہیں۔ دفتر عصمت سے طلب
فرما سکتے ہیں معقول کمیشن دیا جائے گا۔
رازق الخیری

شام زندگی

خدا غنی رحمت کرے حضرت علامہ اشراقی
نے یہ کتاب فروری ۱۹۱۵ء میں صرف بیس روز میں
لکھی تھی اور نہ ہی نو برسر تک ہاتھوں ہاتھ
تین اور پانچ لکے تھے۔ اگر پیسے بھی بہت سے
وروا گئے اور مالانہ اور مرناسین شائع ہو چکے تھے
مگر مصنف کو قوم سے مقصود غم کا خطاب ای کتاب
نے دیا اور حضرت علامہ مشفق کی زندگی میں
شام زندگی سترہ مرتبہ شائع ہوئی تھی۔
رازق الخیری

شام زندگی کے بعد شب زندگی کا مطالعہ ضروری ہے جس میں تسنیم کی رحلت کے بعد کے حالات ہیں۔

(مطبوعہ محبوب المطالع دہلی)

تصانیف مصور غم حضرت علامہ راشد السید کی پرانی کتابوں کے علاوہ دیگر طبقات

عصمت بک ڈپو دہلی

کھانے پکانے کی کتب	زبانہ نگاری کی کتب	تصانیف محترمہ خاتون اکرم	تصانیف منشی پریم چند
از مختصر آسنہ نالی	عصمتی کروشیا	چال و پناہ	دودھ کی قیمت (افسانے)
عصمتی رستروخان	عصمتی کشیدہ	گلستانِ خاتون (افسانے)	روحانی شادی (ڈراما)
مشرقی مغربی کھانے	گلزارِ درخشاں	پیکر وفا	تصانیف رازق الخیری
عصمتی ہنڈ کھانا	گلستانِ کشیدہ	پچھری پٹی	
ناشتہ	گلستانِ فہرہ	تصانیف محترمہ صفیر اہلوں میں	دو اعراشد
بچوں کے کھانے	چندستانِ خیاطی (دوسری کتاب)	مشیر نیواں یا نہرہ	عصمت کی کہانی
بیماریوں کے کھانے	گلستانِ خیاطی	سرگزشتِ ہاجرہ	تصانیف مولانا سیب اکبر آبادی
مذاق کھانے	موتیوں کا کام	تحریر النساء	زبانہ نگاری (حصہ)
دیکھتے محترمہ آمنہ نازلی	سلسلہ شمارہ کا کام	موتی	آفتابِ زندگی
دولت برقی بائیاں (افسانے)	اونی کام سلاخیوں سے	تصانیف محترمہ بلقیس بیگم	شبابِ زندگی
نارنجی لطیفے	گوشتِ باری کا کام	خانہ واری کے تجربات	تصانیف صاحبزادہ لی احمد آبادی
عقل کی باتیں	چال کا کام	مفتیہ نسواں	مختصر دنیا بانیوں کی زندگی کے حالات
ہنسی کی باتیں	نارنجی کا کام	تصانیف محترمہ حجاب سہیل	انسانے سلی (زبانہ خطوط)
نامور خواتین کے افسانے و ناول	گلستانِ تار کشی	ادبِ زرین	کچھ اور نہایت کتبیں
افوری بیگم	کر اسکا کچھ ورک	نجاتِ موت	صفت و حرفت
جاں باز	چوبیس برسوں کی زندگی	تصانیف محترمہ سرور جہاں عیسیٰ	تندرستی ہر نعمت
غیرت کی بتی	چوبیس برسوں کی زندگی	پہلوں پہلوں کی کہانیاں	بچوں کی تربیت
شہیدِ وفا	نکری کا باریک کام	شہزادی سلو فریڈ کی کہانیاں	آئینہٴ موت
چار رخ	وصلی کا کام	عورتوں کی خاص کتابیں	سرے کی چھاپی
نہرہ	عورتوں کی خاص کتابیں	زچہ خانہ (۲ حصے)	
		گلزار خانہ (افانویں)	
زبانہ افسانے و گیت	زبانہ نظمیں	پہلوں پہلوں کی کہانیاں	جاں بانیوں
افسانہٴ حرم	زبانہ نظمیں	خواتین کے دلچسپ تذکرہ	مزیار کہانیاں
داغِ باغبان	زبانہ نظمیں	خواتین کے دلچسپ تذکرہ	بچوں کی دنیا
دیباچی گیت	زبانہ نظمیں	خواتین کے دلچسپ تذکرہ	

مصلحت کا پتہ عصمت بک ڈپو دہلی

ہندوستان بھجے تمام زمانہ اخبارات و سائیں
سب اچھا و سب نیا و قد قبول و شہور یا تصویر یا
سالہ جیسا کہ صدی سے شائع ہو رہا ہے عجمیت ہندوستان
کے ہر شہریوں اور ملک کی بہترین لکھنے والی خاتین
کے اعلیٰ درجہ کے مضافیہ بن۔ مضافیہ بن ہر ماہ
شائع کرتا ہے عجمیت ہی وہ پورچہ ہے جو
صوری و معنوی خوبوں کے لحاظ سے شریف
ہیملات کے لئے ہندوستان کا چوٹی کا
رسالہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

مسکاتہ چنڈا چار و پیر (لکھنؤ)

عجمیت ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ

ہندوستان بھجیں زمانہ و دستکاری کا واحد رسالہ
رسالہ چنڈا چار و پیر سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے
جس میں کشیدہ کر و شیا جاتی تمام غشی۔ تنگ کا ترش
کیونکہ اس رسالہ سے مستعارہ برقیاتی کتاب اور پڑوں
کی ساری کتابی و غیرہ وغیرہ مختلف قسم کی زمانہ مندرجہ
کے عمدہ نمونہ اور مفصل ترکیبیں اور کامدہ ایتمیں
شائع ہوتی ہیں۔ جو ہندوستان کے مصالین بھجی ہو کر
کبھی گھڑا و زہر مند ناویہ ہے جو ہندوستان کی قلمی خاتین
ہندوستان کی ہر دستکار خاتین ہیں۔ سال میں دو نمونہ
میں شائع ہوتے ہیں۔ مسکاتہ چنڈا چار و پیر نمونہ ۴

حضرت علامہ رابرث الہی علیہ الرحمۃ زونہ
میں یہ رسالہ کیوں کے لئے جاری فرمایا تھا
عصمت کی طرح بدلتا بھجی ہندوستان رسالہ ہے
بچوں کے لئے بہترین مضامین سبق آموز نظمیں و
کہانیاں، دلچسپ کھیل تھے وغیرہ شہادت آسان
زبان میں شائع کرتا ہے ہندوستان کے مختلف
صوبوں کے حکماء کے تبصرے بچوں اور بچوں
کے دوسروں کے لئے مندرجہ کیا ہے۔

مسکاتہ چنڈا چار و پیر و پیر جو پیر ہندی
بھیجا جائے۔ پیر و پیر ہندی

مسکاتہ چنڈا چار و پیر ہندی

مسکاتہ چنڈا چار و پیر ہندی

CALL No. { ۸۹۱۵۴۳۳
۱۰۵۱۱/

ACC. NO. ۵۱۸۸

AUTHOR

TITLE

Date	No.	Date	No.
T1903.98		T30.1204	6152
5294			
T03.02.04	9365	T24.01.05	920
02.02.04		T22.02.05	615

T16.01.08

T11.02.08



MAULANA AZAD LIBRARY

ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-book and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.

